تذکرہ ریختی
مرتبہ
تمکین کاظمی

تذکرہ ریختی

مرتبہ

مولوی سید تمکین کاظمی منشی فاضل ایم آر اے ایس

۱۹۳۰ء
۱۳۴۸ھ

(باہتمام)

سید رشید کاظمی

مطبوعہ
شمس الاسلام پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن

طبع اوّل (۵۰۰) جلد
قیمت:۔ ایک روپیہ...... (عہ)
ملنے کا پتہ
مکتبۂ ابراہیمیہ امداد باہمی حیدرآباد دکن

تقریب

پہلے پہل جب میں نے جانؔ صاحب کا دیوان دیکھا تو ریختی سے دلچسپی ہونے لگی مگر مشکل یہ تھی کہ اکثر اشعار میری سمجھ میں نہیں آتے تھے بعض محاوروں کے لئے "لغات النسا" سے لیکر "لغات الخواتین" تک کی ورق گردانی کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا، میں دکن میں پیدا ہوا یہیں تعلیم و تربیت پائی۔ دلّی اور لکھنؤ کے زنانی محاورات بھلا کیا سمجھ میں آتے مجبوراً ان الفاظ اور محاورات اور اشعار کی ایک فہرست بنائی جو میری دانست میں حل طلب تھے اور لگا پوچھتے پھرتے مگر جو الفاظ "لغات النساء" کے لئے سیّد احمد دہلوی کو اور "لغات الخواتین" کے لئے اشہری کو نہ معلوم ہو سکے ہوں وہ بھلا مجھے کیا معلوم ہوتے مگر میں نے ہمّت نہیں ہاری اور لگاتار کوشش کے بعد نہ صرف ان الفاظ محاورات اور اشعار کو حل کر لیا بلکہ "زنانی محاورات" کا اتنا ذخیرہ جمع کر لیا جو "لغات النسا" سے تقریباً دگنا بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے یہ محاورے کیسے معلوم ہوئے اور کیسے حل کئے میں نہیں ظاہر کر سکتا سمجھ لیجئے کہ رنگین کی طرح میں نے بھی کچھ "تماش بینی" کی اور بس!

اسی سلسلہ میں میں نے جان صاحب کے علاوہ رنگین۔ انشا۔ نازنین وغیرہ
کے کلام کا مطالعہ بھی کیا اور ان میں سے بھی اصطلاحات چن لیے چونکہ مدت تک
ریختی کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے مجھے ریختی سے دلچسپی ہوگئی تھی اس لیے میں نے
پیش نظر تذکروں، رسالوں وغیرہ سے ریختی کلام اور شاعروں کے حالات بھی
جمع کر لیے خیال تو یہ تھا کہ ایک مستقل لغت اصطلاحات نسوان کے متعلق شائع کر دوں
مگر مولوی عبدالحق صاحب مہتمم مکتبۂ ابراہیمیہ نے مشورہ دیا کہ فی الحال اسی مواد کو
مرتب کر کے ایک تذکرہ ریختی کہنے والوں کا شائع کر دو لغت پھر کبھی ترتیب دے لینا
بات معقول تھی میری سمجھ میں آگئی اور میں نے منتشر مواد کو مرتب کرنا شروع کیا،
اور پھر از سر نو تذکروں کی ورق گردانی کر کے حالات وغیرہ کی تصحیح کی تقریباً دو درجن
مختلف تذکرے اور کتابیں دیکھیں جہاں جہاں سے مواد ملا لے لیا ورنہ خاموشی
سے کتاب رکھ دی، اس طرح دو ہی تین ہفتوں میں تذکرہ مرتب ہو گیا اور کاتب کے
حوالے بھی کر دیا، مولوی عبدالحق نے پھر پھڑکایا کہ اس تذکرے کے لیے ایک
مقدمہ بھی لکھ دو تو اور اچھی چیز ہو جائیگی، میں نے کہا چلو یہ بھی سہی مگر مقدمہ لکھنا
شروع ہی کیا تھا کہ ابتداً کچھ ہونیا اور پھر تھوڑا سا طیریا میرے ساتھ ہو گیا کاتب نے
تذکرے کی کتابت ختم کر کے مقدمے کے مسودے کا مطالبہ کیا مجبوراً اسی عالم نحافت
میں مقدمہ لکھا ابھی وہ ختم نہ ہوا تھا کہ اتفاقاً اس مسودے کو نواب نصیر الدین خاں صاحب
بہادر ایم لے سے نے ملاحظہ فرمایا اور بعض خاص خاص باتوں کو پھیلانے اور ان کے
متعلق بحث کرنے کا مشورہ بھی دیا میں نے اسی حالت میں اُن باتوں کو بھی لے لیا

اور جوں توں ہو سکا مقدمہ ختم کر کے کاتب کے حوالے کر دیا۔ یہ ہے اس تذکرے کی
شانِ نزول، مقدمہ کے متعلق چونکہ نواب صاحب موصوف نے کئی بار تبادلۂ خیال فرمایا
اور باوجود مصروفیت کے اپنے قیمتی وقت کے کئی گھنٹے ضائع فرمائے اس لئے میں نواب صاحب
کا بے انتہا رہین منت ہوں"۔

چونکہ اس تذکرے کو شائع کرنے کی تحریک عبدالحق صاحب نے کی ہے اس لئے
اگر علم برداران شرم و حیا خاکسار "جامعِ اوراق" پر کبھی "تبرّا" فرمانے
لگیں تو براہ کرم "محرک" کا نام بھی لے لیں۔

اس کی کتابت شفیع الدین صاحب کو ہیری نے بروقت کی ہے اور
طباعت شمس الاسلام پریس حیدرآباد میں ہوی ہے جس کے منیجر عبدالرحمن
خان صاحب نے خاصی دلچسپی لی اور وعدہ پر کام ختم کیا، پروف کی صحت
میں استاذی مولوی محمد سردار علی صاحب مدیر رسالۂ تجلی نے بھی بڑے شوق
سے مدد دی ہے جس کے لئے ان سب حضرات کا مشکور ہوں خدا کرے کہ یہ
حضرات میری اور تصانیف کی اشاعت میں بھی اسی طرح میرا ہاتھ بٹائیں!

السید تمکین الکاظمی

۲۲/ جنوری سنہ ۱۹۳ عیسوی
کوٹلہ عالیجاہ حیدرآباد دکن

بنامِ شاہدِ نازک خیالاں
عزیزِ خاطرِ آشفتہ حالاں

مقدمہ

ریختی کی ایجاد کا سہرہ تذکرہ نویسوں نے رنگین اور انشا کے سر باندھنے کی کوشش کی ہے بعضوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے اور بعضوں نے نہ جاننے کی وجہ سے چنانچہ مولٰنا آزاد نے چونکہ رنگین و انشا سے پہلے کے ریختی کہنے والوں کا کلام دیکھا نہیں تھا اس لئے اگر انہوں نے انہیں دونوں کے سر اس سہرے کو باندھ دیا تو مجبوری ہے ان پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ اسی طرح صابر وغیرہ بھی مجبور ہیں۔

سب سے پہلے "خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم" کے مولف نے رحیم معاصر ولی کو ریختی کا مخترع قرار دیا ہے[1] اس کے بعد مولٰنا عبدالحئی مرحوم نے گل رعنا میں مصحفی ملکاپوری کے حوالے سے آزاد کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ رنگین اور انشا ریختی کے موجد ہیں ہاشمی کو اس کا موجد قرار دیا ہے اور پھر ان کے بعد خاکی کو ریختی گو ٹھیرایا ہے[2]۔

---

[1] دیکھو شعر الہند جلد دوم صفحہ ۴۸۳ ۔ [2] دیکھو گل رعنا صفحہ ۳

مگر باوجود اس کے مولوی عبدالسلام ندوی رنگین ہی کو موجد قرار دیتے ہیں ہم نے سطور بالا میں جن تذکروں کا حوالہ دیا ہے اُن کے الفاظ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"المختصر ان کے بعد انشاء اللہ خاں دہیا و رسمی بہ ہنڈرت راجہ رام و رنگین مرحوم وجان صاحب و نازنین او رعیاش و ناز اور اوباش بیش ہو جود وغیرہ نے روز بروز اس کو زینت بخشی لیکن میرے نزدیک امیر خسرو کے زمانے سے لیکر قدما کے دور تک کے جو اشعار ان تذکرہ نویسوں نے نقل کئے ہیں اُن کو ریختی نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ہندی شاعری کے طرز روش پر کہے گئے ہیں۔ جس میں عورت کو عاشق اور مرد کو معشوق قرار دیا گیا ہے نواب امیر خاں کے اشعار کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے موجودہ حالت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اول اول سعادت یار خاں نے ریختی کو ایجاد کیا اور انہیں نے اس کو ترقی بھی دی۔"

(شعراء الہند جلد دوم ص[illegible])

چنانچہ ایک مدت تک ہمارا بھی یہی خیال تھا مگر موجودہ مواد نے ہمیں اس خیال پر قائم رہنے نہ دیا یقین ہے کہ اور تذکرہ نویس بھی اپنے خیالات بدلنے میں اس مواد سے مدد لینگے۔

اس وقت ہمارے پیش نظر جو قدیم ریختی ہے وہ سید شاہ ہاشم کے مرید میراں ہاشمی کا کلام ہے۔ یہ بزرگ بیجاپور کے متوطن علی عادلشاہ کے درباری شاعر تھے سنہ ۱۱۰۵ھ میں انتقال کیا اور منجملہ تصنیفوں کے

---

[1] - دیکھو سالنامہ قوس قزح سنہ ۱۹۲۷ء مضمون ریختی اور رنگین۔

ایک مستقل ریختی کا دیوان بھی چھوڑ گئے جس کا ایک نسخہ مولوی آغا حیدر حسن ایم۔ اے۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن) پروفیسر نظام کالج کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ڈاکٹر سید غلام محی الدین قادری ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی لکھتے ہیں کہ۔

"دوسرے بہت سے خیالوں کی طرح اب یہ خیال بھی غلط ہو گیا کہ"
"ریختی کی ابتدا شمال ہی میں کی گئی۔ ہاشمی کی ریختی اگرچہ اس"
"نوع کی شاعری کی ابتدائی کوشش ہے لیکن اس قدر"
"اعلیٰ درجہ کی ہے کہ کوئی اس کو پہلی کوشش نہیں سمجھ"
"سکتا اس کے ذریعہ سے قدیم دکن کی عورتوں کی زبان"
"محفوظ کر لی گئی ہے۔"

(اردو شہ پارے جلد اول صفحہ ۱۲۵، ۳۶)

ہاشمی نے بالکل دکن کے نسوانی روزمرہ میں ریختی کہی ہے۔

ادھر جس دن گولکنڈیاں گئی ہو یاد ہیں باتاں
نہیں تم مل کو بیٹھے تھے سکھی جیب لن لا کریاں

مجھے پکڑے ہیں کی چھوڑ دو اُو دیکھو لانک ماروں گی
خدا کی سوں میں ہنستی ہوں بڑی لو کو پکاروں گی

سجن آویں تو پردے کے نکل کر بھار بیٹھوں گی
بہانا کر کے موتیاں کا پروتی ہار بیٹھوں گی

اٹھوں یاں آؤ کہینگے تو کہونگی کام کرتی ہوں
اٹھلتی اور ٹہلتی چپ گھڑی دو چار بیٹھوں گی

ہاشمی کے بعد اشرف اور رحیم معاصرین ولی کی ریختیاں نظر آتی ہیں۔ گو ان دونوں نے ریختی کے دیوان مکمل نہیں کیے مگر بعض شعر اس رنگ کے ضرور پائے جاتے ہیں، ولی کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ مؤلف فرہنگ آصفیہ نے سنہ ۱۱۱۰ھ میں ولی کو ملک عدم کی طرف چلتا کیا ہے۔ آسی ملکاپوری نے اور مولوی نصیر الدین ہاشمی نے ۱۱۵۵ھ تک اُسے زندگی کے جھمیلوں میں پھنسایا ہے بہرحال یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ولی نے سنہ ۱۱۱۰ھ سے ۱۱۵۵ھ تک کسی ایک سنہ میں وفات پائی۔ اشرف اور رحیم دونوں ولی کے معاصر تھے اور انہیں سنین میں موجود ہوں گے۔ اشرف کا صرف ایک ریختی شعر ملتا ہے۔

پیا بن بیر سے نیکیں بیراگ بجایا ہے جو ہونا ہو سو ہو جائے
بھبوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہے جو ہونا ہو سو ہو جائے

رحیم کے بھی صرف چار پانچ شعر ملتے ہیں۔

لاڈلی نادان ہیں اپنے سجن کو کیوں رٹھایا ہے
رٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے
بہت سمجھا رہی ہوں میں نصیحتاں کہتی ہوں
سکھی کو رات سوہی ہے کہ پیارے کو جو بھایا ہے

سنہ ۱۱۷۵ھ میں لچھمی نرائن شفیق نے چمنستان شعراء ترتیب دی ہے اور انہوں نے کسی میر یحییٰ مخاطب بہ نوازش علیخاں منصبدار برہان پوری متخلص بہ عاشق کا تذکرہ کیا ہے، ان کا رنگ بھی ریختی سے مشابہ ہے۔

سلونے سجن تیرے کوچے بیچ　　　شب و روز عشاق کا شور ہے

مگر افسوس ہے کہ اُن کے بھی زیادہ اشعار نہ مل سکے۔

معاصرینِ ولی ہی میں ایک بزرگ سید محمد قادری تھے جن کا دیوان اُن کی زندگی ہی میں سنہ ۱۱۸۳ھ میں مرتب ہوگیا تھا جس میں ایک ریختی غزل بھی موجود ہے، یہ وہی دیوان ہے جس کا تذکرہ مولوی عبدالحی مرحوم نے گلِ رعنا میں کیا ہے اور جو نواب صدر یار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ان حضرت نے تصوف آمیز ریختی بڑے مزے سے کہی ہے۔

پیا بن اے سہیلی انجھوں سے منہ دھوتی ہوں
کبھی میں منج گھر اندھارا دیکھ روتی ہوں
رہوں میں کب تلک جھڑ لی جلا کر دل کنیں کر لی
کر اب غم کے پہاڑوں پر بھلا ہے سر پھوڑتی ہوں

نواب سکندر جاہ بہادر کے عہد حکومت میں سنہ ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء سے سنہ ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء تک نواب بدرالدین خاں بہادر امیر جنگ امیر الدولہ متخلص بہ لائق تھے جن کا ریختی کا دیوان آصفیہ لائبریری میں موجود ہے۔ مگر افسوس کہ

ریختی کا دیوان نہیں ملتا صرف ایک ریختی مذکورۂ بالا دیوان کے آخر میں نظر
آتی ہے۔ جو رنگین کی ریختی سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ ردیف الف میں
رنگین نے "دور دوا" "نور دوا" قافیہ اور ردیف میں (۷) شعر کہے ہیں اور
اسی ردیف میں صرف قافیہ بدل کر لائق نے بھی (۶) شعر کہے ہیں ملا کر دیکھیے

لائق

پاس میرے تو کسی ڈھب سے اٹھے لاری دوا
میں بلائیں تیری لیتی ہوں ارے جا ری دوا

وہ نہ آئے تو قسم دیکھو میرے سر کی
اس کو جھٹ پاس کسی ڈھب سے منا لاری دوا

ہائے ہائے کیا بیٹا مجھے کھایا تو نے
وہ نہ لائے تو مجھے چوری سے لیجا ری دوا

میں تو گالی ملے پر تو دوہتڑ ماروں
یا کوئی اور ہو تدبیر تو بتلا ری دوا

سینے سے سینہ ملا اس کے تو لو لے لو
پاؤں پر پاؤں لا عیش کروں پیاری دوا

کیا کہا کس لیے کہا تیری سو لائق شب کو
مجھکو تو چھو کی قسم کہیو نہ [illegible] ماری دوا

رنگین

مجھ پہ طوفان نے لیجا کا جل دور دوا
جھوٹ سو سو کا تیرے جائیگا اڑ نور دوا

ایک تو شکل ڈرانی ہے تیری بیجا سی
تس پہ یوں پہاڑ کے دیدے مجھے مت گھور دوا

تک گیا ہی تیرے ہاتھوں سی کلیجہ مارا
مجھکو دو دن جیلوں کو گر ہو میرا اسقدر زور دوا

اس لگانے سے تیرے اور بجھانے سے تیرے
تیری تالو میں الٰہی کرے ناسور دوا

گھر پڑا لی ہے تو کیا صبح کو کل رہ تو سہی
ہڈی ہڈی تیری کر لی ہے مجھے چور دوا

دوستوں کا ہے دن تو کیا [illegible]
اور کیا چاہتی کیا ہے جو منظور دوا

تیری تو تو تھیں [illegible] ہی بھلا [illegible]

پھر یہ کیوں کرتی ہو رنگین کا مذکور دوا

اسی زمانہ میں لاؔئق کے علاوہ محمد صدیق قیسؔ بھی ریختی گو تھے جن کا دیوان رنگین کے دیوان سے زیادہ ضخیم کتب خانہ آصفیہ میں (دواوین ۱۶۹/۱۵۵)
موجود ہے قیس نے سنہ ۱۲۳۳ھ میں وفات پائی ہے۔

قیس کی ریختیاں بالکل رنگین کی سی ہیں، قیس اور رنگین کی ریختیوں کا مطالعہ کرنے والا حرف دو نتیجوں پر پہنچ سکتا ہے کہ قیس نے رنگین کے دیوان کا جواب کہا ہے یا۔ رنگین نے قیس کے دیوان کا ! رنگین کی ریختیوں کا جو دیوان انڈیا آفس میں موجود ہے اُس کا سنہ تصنیف ۱۲۴۹ھ ہے[1]، اور قیس نے ۱۲۳۳ھ میں انتقال کیا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ قیس کی ریختیوں کا دیوان ۱۲۳۳ھ سے قبل مرتب ہو چکا تھا اس طرح دیوان قیس دیوان دیوان رنگین سے انتیس سال قبل مرتب ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بیجا ہوگا کہ قیس نے رنگین کی ریختیوں کا جواب کہا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قیس کا دیوان رنگین کے پیش نظر رہا ہے مگر ہماری رائے میں یہ بھی درست نہیں قیس نے اس قدر غیر معمولی شہرت حاصل نہیں کی تھی جو اُن کا دیوان۔ حیدر آباد سے باہر نکل کر رنگین تک پہونچتا۔ ہماری رائے میں رنگین نے الگ کام کیا ہے اور قیس نے جدا ریختی کہی ہے۔ ہمارے اس خیال کی تائید رنگین کے دیوان ریختی کے دیباچے سے بھی ہوتی ہے وہ

---

[1] دیکھو فہرست ہندوستانی مخطوطات مرتبہ بلوم ہارٹ (رنگین)

لکھتے ہیں کہ

" بعد حمد رب العالمین اور نعت سید المرسلین خاکپائے شعرا"
"نکتہ چین سعادت یار خاں رنگین عرض کرتا ہے کہ بیچ ایام"
"جوانی کے بہ تاسیہ سیاہ اکثر گاہ بیگاہ عرس شیطانی کہ عبارت"
"جس سے تماش بینی خانگیوں کی ہے کرتا تھا اور اس قوم کی"
"ہر ایک فصیح کی تقریر پر دھیان دھرتا تھا ہر گاہ چند مدت"
"جو اس وضع پر اوقات بسر ہوئی تو اس عاصی کو ان کی اصطلاح"
"اور محاوروں سے بہت سی خبر ہوئی ہیں واسطے انہیں"
"اشخاص کے عام بلکہ خاص بولیوں کو ان کی زبان میں اس"
"بے زبان ہیچمدان نے موزوں کرکے ترتیب دیا"

(دیباچۂ دیوان ریختی رنگین مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)

علاوہ ازیں اپنی ریختیوں میں اکثر جگہ ریختی کی ایجاد کا ادعا کیا ہے

چنانچہ

ریختی کہنی اجی رنگین کا یہ ایجاد ہے — منہ چڑھاتا ہے سو انشا جیا کس واسطے

اور

ملیں ہے ریختی ایجاد رنگیں — اسی باعث کہا کرتا تھا اکثر
سو انشا بھی اب کہنے لگا ہے — چہ خوش اس چیونٹی کی بھی ہو بہ

کہکر اپنے دعوی کو اور تقویت دی ہے۔
قیس کے دیوان میں ریختیوں کے آغاز پر،

"منتخب دیوان ریختی قیس محاورہ بیگمات محل بادشاہی شاہجہاں آباد" لکھا ہوا ہے۔ گویا ریختی قیس کی نظر میں محلات شاہی شاہجہاں آباد کی شوخ چشم بیگمات کا محاورہ تھی اور رنگین عرس شیطانی میں جاکر خانگیوں کی تماش بینی کرکے ریختی لکھتے ہیں۔ گو دونوں کی رسائی ایک ہی نقطہ پر ہوتی ہے اور ایک ہی جگہ سے چل کر ایک ہی جگہ ملتے ہیں مگر دونوں کا خیال جدا جدا ہے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے اکثر ردیفوں میں رنگین اور قیس نے مل کر کہا ہے بعض جگہ ردیف مشترک ہے بعض جگہ قافیہ اور بعض جگہ دونوں۔ خیالات تو عموماً لڑتے گئے ہیں ملاحظہ ہو۔

قیس

آنسے کیوں موتی لگائی اری نادان جو دوا
جھک گئی بوجھ سے موتی کے ترے کان دوا
تجھکو یاں نذر تھی تو اس کرتی کی لیکن اتنا
تنگ ہوتا ہی گلے میں ہے گریبان دوا

تیری گودی میں تو کھیلی ہوئی ہوں
میری بات کا مت برا مان آ جا
اری قیس کہیں تو جاتی ہو گھر کو
میرے ساتھ چل تو بھی مہمان آ جا

رنگین

مجھ پہ طوفان نہ لے جاوے کا چل دور دوا
جھوٹ سی منہ کا ترے جائیگا اڑ نور دوا
پک گیا ہے تیرے ہاتھوں سے کلیجہ میرا
مجھکو دو ان چیلوں کو گر ہو میرا مقدور دوا

نیند آتی نہیں کمبخت دوا نی آجا
اری ہیتی کوئی کہہ آج کہانی آجا
بال باندھے کے جو دوری سے لیے مرلی نے
شکل لگتی ہے تیری آج ڈرانی آجا

غرض دیکھ کر تو بھی خوش ہو گی دل میں
عجب طور کا ہو وہ انسان آ گیا

تمہیں ہر نگیں کو نہ میرا لیو ہیں اسکے پیچھے
مفت برباد ہوئی میری جوانی آ گیا

بولا دے ایسا طرحدار جوتا
جہالا پور کا کوئی دھواں دھار جوتا

مجھے چاہئے ہے دھواں دھار جوتا
کوئی لا دے اتنا طرح دار جوتا

رات کوٹھے پہ تیری دیکھ لی چوری انا
کالی اوپر تھی چیڑہی نیچے تھی گوری انا
لاڈ بازار کو جاتی ہے تو صدقے تیرے
بھول مت یاد سے لے آ میری ڈوری انا

رات باتوں میں بہال تو نے گزاری انا
صدقے تیرے کسی ڈھب سے اسے لا ری انا
آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے مجھے اس کی حیا
روز و شب بہتے ہیں اشک آنکھوں سے جاری انا

کاہیکو بینو گی باجی میں تمہاری انگیا
ایک سے ایک میرے پاس ہے پیاری انگیا
جسکی چڑیا کا وہ عالم تھا کہ اب اڑ جائے
میرے باجی سے جو کل شرط میں ہاری انگیا
ٹوکیاں ڈھیلی ہیں اور تنگ ہے باہوں میں مرے وا
اس طرح کوئی بھی سیتا ہے گنواری انگیا

کل جو سلوائی تو سہی تو نے کیسے مروڑی انگیا
ہو گئی تنگ تنک باہوں سے نگوڑی انگیا
ٹھیک کچھ گات پہ بیٹھی نہیں لی سلوالی
تنگ اس سے بھی ذرا سیجیو تھوڑی انگیا
ٹوکیاں اور تھیا وہ بھی ہیں سب تار بتار
کچ کچا کر کے جو تنگین نے نچوڑی انگیا

ایسا تو ہو تحمل میں کوئی دیکھ لے تجھے

ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہو کہ ٹس سے من

باندی کنارے بیٹھ کے دھولا ازار بند

بن بن کے بیچتی ہے بچاری ازار بند

اچکے رکھی ہو تو لوگا تا وہ طرحدار اصیل
نوجواں پتلی سی گوری سی دھواں دھار اصیل
اشنال کے نہا آتی ہے بو تجھ میں سڑی
کتنی گندی ہے اری دور ہو مردار اصیل

تو خریدار کی میرے ہے خریدار اصیل
مارے گردن تجھے لیکر کوئی تلوار اصیل
میری چنیا سی پہ ہے ہٹ کہ بکا کرتا ہا
میں نے یہ بات کہی تجھکو ہے سو بار اصیل

کیا بنا لائی ہے منہیارن سہانی چوڑیاں
میں تو پہنونگی کبھی یہ آسمانی چوڑیاں
بڑھ گئیں دو چوڑیاں تو ہو گئیں کڑھتی ہے کیوں
پہن لے چل ہاتھ ڈھیلا چھو جانی چوڑیاں
قیس پر کرتی تھی فرمائش کہ یوں جوڑا بنا
سبز سالو ورنہ اودی آسمانی چوڑیاں
آگے پیچھے عاشق و معشوق کو گوٹیں لگا
دھار چھلا دھار کے گل میں دہانی چوڑیاں

کس کی ہے بخت آوری پہنے کنواری چوڑیاں
رائی مینا کی جیا تجھکو منہیاری چوڑیاں
منہدی جبتک میں لگاؤں تب تلک اے منہیاری تو
ٹھاک کے جوڑا قرینے سے لگا ری چوڑیاں
جھوٹا جوڑا پہنوں میں اللہ یہ جھوٹی بات ہے
سچے بندوں کی منہیاری مجھکو بہاری چوڑیاں
اب ہوس باقی نہیں رنگین ہیں لی یار یہاں
پہنیاں سب رنگ کی ہیں یاری یاری چوڑیاں

بخشنے والا ہے صاحب میرا اوپر والا
یہ تو کہتی نہیں میں نیک ہوں بدکار ہوں

یہ بولتی ہوں بول بڑا خاک چاٹ کر
گوئیاں کی طرح جھاڑو کی تیلی نہیں ہوں میں

کیا جانئے کیا ہو گی جوانی میں یہ آفت
کوسا کا بھی میری ایک دھواں دھار ہے گوئیاں

اب تجھ سے خدا سمجھے تو ہے زہر کی اک گانٹھ
تجھ پہ کہیں بجلی پڑے درگاہ کی گوئیاں

راحت افزا سے یہ کہیو اجی گلشن لو لو
ہاتھ دھونے کو مرے لائیو بیسن لو لو
کیا دھواں دھار تھی پرکالۂ آتش اُف ری
آگ لینے جو وہ آئی تھی پڑوسن لو لو
تکمہ چوں چوں کا تو رانوں کے تلے دھر دینا
بیٹھے مسند پہ جب آ کر مری سمدھن لو لو
لی وو گا جو کہیں رات مسی کا صافہ
بن گیا پھول سمٹ غنچۂ سوسن لو لو
ٹیس پڑ رہی ہیں کمر دکھتی ہے رانیں اکڑیں
کیا مری طرح لیا قیس نے آسن لو لو

یہ تجھے سے کیسی عادت کہ جسکی ہوتی ہے چاہ لو لو
پھر اس سے کرتی ہے اپنی مقدور آپ ہنسی بنا لو لو
کسی سے آگاہ میں کہا تھی کیا گھر آنکھوں میں مری تلملے
نہ اس میں تقصیر جی کی ہر گز نہ اس میں دل کا گناہ لو لو
جو ٹھرہ کے باجی سے میں نے بولی تو مجھ کو کیا تو میں مانگو ہیچ
نہیں ہے باور تو اس سے پوچھو جو کیا ہے میرا گواہ لو لو
دوا کی کبھی پیٹھ نچانا نہیں ہے یا تو نہیں اسکی بھدرک
یو نہیں وہ کرتی ہے مجھ سے ہر دم نکیلو نکہ مانگوں پناہ لو لو
کسی کی مرد سے جا کو کہہ دو جو شتابی سے اسکی لا دو
غضب ہے نگلیں نہ اتنا آیا پڑی ہیں تکتی ہوں راہ لو لو

ہمرہ تو جوانی کی ہے جو جو رنڈاپا خی
بھرتی نہیں نظروں میں تیری جو رنڈاخی

تو اور بھی کر پیار گلے میرے چمٹ جا
طعنے مجھے اب دیتے ہیں سب لوگ زناخی

کیا میں کروں گی لیکے تیری ہلکی اوڑھنی
لا دے دو دو وہ مجھکو جھلا جھل کی اوڑھنی

ہیں وہ تو اوڑھنے کی نہیں گلگل کی اوڑھنی
باجی مجھے وہ لا دو جھلا جھل کی اوڑھنی

چلنے کا اِس پہ کام تھا کیا خوب واچھڑے
کوٹھے پہ جو لٹکتی تھی وہ کل کی اوڑھنی
شعلہ سا ایک آنکھوں میں میری چمک گیا
سر پر پھر آ لگی وہ جو کہیں ڈھلکی اوڑھنی

بھاری بنت منگا دی کہ ٹکین لگاؤں میں
سر پر سے پھر تی نہیں ہلکی اوڑھنی
پہونچی لچک کمر کو ارے لوگو دوڑیو
کولے تلک جو سر سے میری ہلکی اوڑھنی

تو نے چڑیا وہ بنائی ہے کہ بس بول اُٹھے
تیرے ہاتھوں کی میں قربان گئی سغلائی

پھر لے ربط ہو اُڑ جائے یہ چڑیا کمبخت
تس پہ دوری ہے عجب ڈھب کی کسی سغلائی

دوگانا تو کیا ہے کسو کے کبھی آ گئے
اری قیس کا کر نہ مذکور باندی
قسم ہے علی جی کی کہتی ہوں تجھ سے
کرونگی تیری ہڈیاں چور باندی

بڑبڑاتی ہے تو کیوں منہ کو بھلا کر ہر بار
سُن تیا ناس تیرا جائیو اے ری باندی
پھوٹ جائے کہیں یہ تیرا ہوائی دیدہ
آفتابے کو میرے ہاتھ سے لے ری باندی

رنگین کے علاوہ انشا کی ریختیوں اور قیس کی ریختیوں کی اکثر ردیفیں مل گئی ہیں ملاحظہ ہو:—

قیس

نل بھر گئے پیڑو میں میرے درد ہی بیٹھا
مت چھیڑ میں ہوں جان سی حیران دوگانا
کیا بولیگا خوجہ وہ موا ہیش بریدہ
آنے دے میں کیا کھولتی ہوں کان دوگانا

انشا

تو ج ایسے کہیں اور ہو گھر گھوج سٹے لوگ
سب تاڑ گئی ہے یہ برا شہر دوگانا
چھتوں تیری بس دیکھتی یاد پڑے ہے
دلی کی وہی چہل وہی لہر دوگانا

چونکہ رنگین اور انشا نے ایک ہی قافیہ اور ردیف میں ریختیاں کہیں ہیں اس لئے قیس کی ان ریختیوں کا مقابلہ جو قبل ازیں رنگین کے مقابلہ میں لکھی گئی ہیں انشا کی ریختیوں سے کیا جاسکتا ہے۔

ریختی کی مذمت سے ہر تذکرہ بھرا ہوا ملیگا سب سے آخر اور حالیہ تذکرہ میں جو ہسٹری آف اردو لٹریچر کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ریختی کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"یہ حسن پرستی اور شہوت پرستی بعد کو ایک خاص طرز میں ظاہر ہوئی جسکا نام ریختی یعنی عورت کی زبان رکھا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ ریختہ سے نکلا ہے اور اس کا مونث ہے عورتوں کی زبان بالذات کوئی مذموم بات نہیں مگر خرابی یہ ہے کہ اس قسم کے اشعار جذبات نفسانی کو برانگیختہ کرنے کی غرض سے کہے جاتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ نہایت فحش اور مخرب اخلاق

اور شرفاء کے کانوں تک کو ناگوار ہوتے تھے ایسی کل چیزیں جو عورتوں کے پڑھانے کے قابل نہیں ہوتیں غیر مہذب اور فحش ہوتی ہیں'' الخ
(ص ۲۸ و ۲۹)

''ریختی کے طرز میں ایک قسم کی دلچسپی ضرور ہے مگر خرابی یہ ہے کہ اس میں غیر مہذب اور فحش آمیز اشارے ہوتے ہیں۔ ناسخ کی رائے ہے کہ اس طرز کے موجد میاں رنگین تھے اور رنگین نے خود بھی یہ دعویٰ اپنی نسبت اپنے دیوان کے دیباچے میں کیا ہے۔ مگر غور کیا جائے تو یہ طرز قدیم شعراء علی الخصوص شعراء دکن میں بھی موجود تھی مثلاً مولانا ہاشمی بیجاپوری جو دکن کے ایک مشہور شاعر تھے اور مولانا قادری جو ولی کے ہمعصر تھے اور جن کا تخلص خاکی تھا اور جن کا دیوان ۱۱۸۳ھ میں مرتب ہوا ہے ان لوگوں کے یہاں بھی ریختی کا پتہ چلتا ہے مگر اتنا فرق ضرور ہے کہ ان قدیم شاعروں کی ریختی ایک خاص قسم کی تھی جس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان کے کلام میں بھاشا کا زیادہ اثر ہے لہذا اسی کے تتبع میں اظہار عشق عورت کی جانب سے اور اسی کے الفاظ میں کرتے ہیں بخلاف معمولی اردو کے جس میں اظہار عشق عموماً مرد کی جانب سے ہوتا ہے اسی وجہ سے اس قسم کی ریختی میں فحش اور ابتذال مطلق نہیں ہوتا برخلاف انشاء و رنگین کی طرز کے جن کا دار و مدار عیاشی اور شہوت پرستی پر ہے ان کی غرض عموماً یہ ہوتی ہے کہ ایسا کلام پڑھ کر لوگوں کو ہنسی آئے یا ان کے انفعالی جذبات میں ہیجان پیدا ہو اسی وجہ سے اس قسم کی نظموں میں خلوص اور بلند خیالی یہاں تک

کہ بے مزہ اور سادہ مذاق بھی نہیں ہوتا"

"یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ ہمارے ملک میں عورتوں اور مردوں
کی علیحدہ علیحدہ زبان ہونے کے اسباب کیا ہیں۔ ان دونوں کی زبانوں
میں صرف الفاظ و محاورات کا فرق ہوتا ہے جس میں بعض الفاظ و محاورے
مستورات کے لئے مخصوص ہیں جن کو عام طور پر مرد نہیں استعمال کرتے۔
ہمارے نزدیک اس خصوصیت اور فرق کی بڑی وجہ پردہ ہے جس سے
اس ملک کی شریف گھرانے کی عورتیں غیر مردوں کے سامنے نہیں آسکتیں
اکثر پرانے خیال کے لوگوں میں تو پردے کے بارے میں یہاں تک سختی ہے کہ
عورتیں اپنے غیر محرم رشتہ داروں تک سے پردہ کرتی ہیں پس ایسی
قید کی صورت میں لازم ہوا کہ عورتیں اپنے واسطے کچھ خاص اصطلاحیں
اور محاورے مخصوص کرلیں مثلاً مرد چونکہ آزاد تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ
ہوتے ہیں لہذا وہ دوسری زبان کے الفاظ بے تکلف بولنے لگتے ہیں۔
عورتیں برعکس اس کے اپنے پردے اور عدم تعلیم کی وجہ سے اپنی خالص
زبان کی پابند رہتی ہیں۔ اور اس کی صحت اور سلیس رہنے کی حفاظت
کرتی رہتی ہیں بلکہ چونکہ عورتوں کے مزاج میں فطرۃً قدامت پسندی اور
تغیر نا آشنائی ہوتی ہے اس وجہ سے دوسری زبانوں کے ثقیل اور کرخت
الفاظ ان کو پسند نہیں آسکتے مزید برآں ان میں فطرتاً شرم و حیا اور
ضعیف الاعتقادی ہوتی ہے اس لئے ایسے الفاظ ان کو ایک رمز
و کنایہ سے اور خاص طریقے سے وضع کرنا پڑتے ہیں جن کے نام لیتے ہیں

ان کو شرم وحیا مانع ہو یا وہم وخوف دامنگیر ہو۔ یہ تحقیق اصطلاحات و
محاورات ظاہر ہے کہ ان گھرانوں میں زیادہ ہے جہاں پردہ کی زیادہ
سختی سے پابندی ہوتی ہے اسی فرق مذکورہ بالا سے انشا اور رنگین
نے اپنے خاص اغراض کے لئے فائدہ اٹھایا اور اپنی نو ایجاد طرز کا دار و مدار
اسی مخصوص عورتوں کی زبان اور بیہ عیاشی اور بد اخلاقی پر رکھا۔"
"ریختی اس زمانہ کی بگڑی ہوئی سوسائٹی کا بہترین آئینہ ہے جبکہ
لکھنؤ کے عیش پسند فرمانرواؤں اور امراء کی محفلوں میں عیش و عشرت
اور حسن پرستی کا بازار گرم تھا۔ اور بازاری عورتوں کا عشق داخل فیشن
ہو گیا تھا۔ شہر کے نوجوان امراء اس قسم کی بے اعتدالیوں سے متنبہ
ہونے کی بجائے ان کو کھلم کھلا اور بلا خوف لوم لائم عمل میں لاتے
تھے ظاہر ہے کہ اس زمانہ کی نظمیں ان کے جذبات اور ان کے مذاق کا
آئینہ ہونا چاہیئے۔ مگر حقیقت میں اس قسم کی ناشائستہ اور غیر مہذب نظمیں
نہایت ہی مخرب اخلاق اور نوجوانوں کے حق میں سم قاتل ہیں چنانچہ
خود انشا نے بھی اس قسم کے فواحش کے برے اثر کا ذکر ایک جگہ اپنی
"دریائے لطافت" میں کیا ہے۔ بہر حال یہ طرز اس زمانہ میں بہت مقبول
تھی اور اس کی ترقی کی معراج میر یار علی المتخلص بہ جان صاحب کے
زمانہ میں ہوئی ....

غرضیکہ یہ صنف شاعری اب مقبول نہیں ہے اور مہذب محفلوں
میں اس کو کوئی پسند نہیں کرتا البتہ مذاق و ظرافت کے وہ اشعار جو دائرہ

تہذیب سے خارج ہوں عام طریقے سے پسند کیے جاتے ہیں"
(تاریخ ادب اردو ص۲۳۷ تا ۲۴۲)

ریختی کے متعلق ہندوستان کے مشہور ادیب مولانا شرر فرماتے ہیں۔

"لیکن ریختی کا فن باوجود غیر مہذب ہونے کے دلچسپ ہے.....
...... مردوں اور عورتوں کے محاوروں اور لہجے میں تھوڑا بہت فرق ہر زبان میں ہوا کرتا ہے مگر اتنا نہیں جتنا ہماری زبان میں نظر آتا ہے۔ فارسی عربی سب زبانوں میں یہ امتیاز موجود ہے مگر اردو اس خصوصیت میں بڑھی ہوئی ہے فارسی اور عربی کا پیرا یا مذاق تھا کہ عورتیں شعر کہتیں تو اپنی زبان میں اور مرد کبھی عورتوں کی زبان سے کوئی خیال ادا کرتے تو زبان میں لطف پیدا کرنے کے لیے ان کی زبان اختیار کر لیتے یہی حال انگریزی کا ہے۔ اردو شاعری ہمیشہ سے صرف مردوں کی زبان میں رہی یہاں تک کہ اس میں عورتیں کہتیں بھی تو مرد بن کر کہتی ہیں مردوں ہی کی زبان اختیار کرتی ہیں اور اپنے لیے وہی ضمیریں تک استعمال کرتی ہیں اگر شاعر کا نام نہ معلوم ہو تو کوئی نہیں پہچان سکتا کہ یہ کسی مرد کا کلام ہے یا عورت کا؟

"اردو شاعری کا تیسرا یا چوتھا ہی دور تھا کہ شوخ طبع جوانوں میں خیال پیدا ہوا کہ ریختہ کی طرح ایک ریختی ایجاد کی جائے ...

. . . . . ریختی اُردو کا ایک فن ہوگیا جس کی ایجاد گو ایک دہلی ہی کے شاعر سے ہوئی تھی مگر لکھنؤ میں ہوئی اور یہیں اُسے فروغ ہوا . . . .
. . . . ریختی میں اگر فحش اور بدکاری کے مذاق سے پرہیز کرکے پاکدامنی کے جذبات اختیار کیے جاتے تو یہ فن ایک حد تک قابل ترقی ہوتا۔ مگر خرابی یہ ہوئی کہ اس کی بنیاد ہی بدکاری کے جذبات اور بے عصمتی کے خیالات پر تھی اس لئے ریختی گویوں کا قدم ہمیشہ جادۂ اعتدال سے باہر ہوگیا۔ اور اس نے زبان کو چاہے کسی حد تک فائدہ پہنچایا ہو مگر اخلاق کو نقصان پہنچایا۔"

(مضامین شرر مشرقی تمدن کا آخری نمونہ صفحہ ۹۱ تا ۹۲)

مرزا قادر بخش صابر اپنے تذکرہ گلستان سخن میں رنگین جان اور نازنین کی ریختیوں کے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں۔

"صرف عورتوں کی گفتگو اور ان معاملوں کے سوا کہ مرتبہ شناسان سخن کے نزدیک فضول اور نازک دماغوں کے آگے نامعقول ہیں اور کچھ نہیں اور نامعقولیت سے مراد یہ ہے کہ کلام فحش آمیز یا کلمات شہوت انگیز سے زبان قلم کو آلودہ کیا ہے تو اس نظم کے گوش و گردن کا پیرایہ بلکہ اس طرز کا خمیر مایہ ہے مراد اس سے یہ ہے کہ وہ باتیں جو عورتوں کو اثنائے خانہ داری میں پیش آتی رہتی ہیں مثلاً کسی بہن بھنیلی کے گھر مہمان جانا یا کسی بھائی بند کا اپنے گھر بلانا خصم سے توم چھپا کے

گھڑوانے کی تمنا اور سرکری انگیا رنگوانے کا تقاضہ اس طرح سے
خرچ کئے ہیں کہ ان سے کچھ لطف یا نکتہ کہ شاعر خوش مذاق
کو لذت دے حاصل نہیں ہوتا اور مرزا اسے مرزا انشیں نے
معاملات کو اس لطافت سے ادا کیا ہے کہ سامع کا جی
نکل جائے اور سننے والا کلیجہ پکڑ کے بیٹھ جائے۔
(گلستان سخن صفحہ ۴۴)

ان شعراء نے جو ریختہ کہتے تھے اگر ریختی کی برائی کی تو برا نہیں کیا اس لئے
کہ یہ ان کے مسلک سے جدا چیز تھی مگر مشکل یہ ہے کہ ان لوگوں نے بھی
ریختی کی برائی جی بھر کر کی ہے جو ریختہ کہتے تھے نہ فارسی . . . .
. . . . ریختی پر جو سب سے بڑا الزام لگایا جاتا ہے وہ یہ
ہے کہ اس میں فحش پن اور شہوت انگیز باتیں زیادہ ہیں۔ میں حیران ہوں کہ
ان دونوں چیزوں کی موجودگی کے باوجود شعراء لکھنؤ کے دواوین کو
لوگ سر اور آنکھوں پر لئے کیوں پھرتے ہیں؟

مولوی عبدالسلام ندوی نے شعر الہند حصۂ اول میں "لکھنؤ اور دلی
اسکول" کا امتیاز ظاہر کرتے ہوئے "لکھنؤ کے تمدن و معاشرت میں عام طور
پر جو زنانہ پن پیدا ہو گیا تھا اس کا اثر وہاں کی شاعری سے بھی واضح طور
پر نمایاں ہوتا ہے لکھ کر ذیل کے شعر نقل کئے ہیں۔

آتش

کسی کی محرمِ آبِ رواں کی یاد آئی — حباب کے جو برابر کبھی حباب آیا

ناسخ

جلد رنگ لائے دیدۂ خونبار اب تارِ نگاہ — ہے محرم اس پری پیکر کو نارنجی چاہیے

"

کاٹ خطِ استوا بدن کا — تیری سونے کی کردھنی ہے

یہ چند شعر مشتے نمونہ از خروارے ہیں ورنہ اگر شعرائے لکھنؤ کے دواوین کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو اُن سے عورتوں کے زیورات پوشاک اور سامانِ آرائش کی مفصل فہرست مرتب کی جا سکتی ہے صرف یہی نہیں بلکہ جابجا اُن کا لب و لہجہ بھی زنانہ ہوتا ہے ۔ مثلاً

رند

مر گیا منتظری میں تیری او وعدہ خلاف — موت آئے ملک الموت تیرے آنے کو

"

اُدہ پری تجھ کو خدا نے دی ہے صورت نور کی — تیری ایڑی پر کروں صدقے میں چوٹی حور کی

"

اب کی نوچندی میں آئے نہ زیارت کو اگر — علمِ حضرتِ عباس ہی کی مار پڑے

(شعر الہند حصہ اول ص ۲۱۴، ۲۱۵)

اسی باب میں مولوی عبد السلام نے اور اسی قسم کے اشعار بھی نقل کیے ہیں جنہیں ہم بھی نقل کرتے ہیں ۔

آتش

بوسہ بازی سے میری ہوتی ہے ایذا اُن کو — منہ چھپاتے ہیں جو ہوتے ہیں مہاسے پیدا

لب شیریں کی تیری چاشنی ممکن ہو گی — رس سے شکر ہوئی شکر سے نباتی پیدا

یہ جانتے تو تمہیں ہم نہ باندھنے دیتے — کمر کے ساتھ لپیٹے گا ناف کو پٹکا

ناسخ

شکمِ صاف کے قریں ہے کمر — یا ہے مخمل پہ خواب مخمل کا

حسین علی خاں اثر

دلاسوتے ہیں قندِ لب کے خاطر خواہ بوسہ کی — مثل مشہور ہے دنیا میں گڑ میٹھا ہے چوری کا

خلیل

وصل کی شب پلنگ کے اوپر — مثل چیتے کے وہ مچلتے ہیں

ناسخ

بالوں کا کچھ اثر بغلِ یار میں نہیں — پڑتا ہے عکس زلفِ سیہ فام دوش پر

خلیل

بچھڑتے ہوئے دن کاٹتا ہے نامہ بری میں — قاصد مرا گویا کہ روتہ[۱] ہے محل کا

خلیل

دیکھی شبِ وصل ناف اس کی — روشن ہوئی چشم آرزو کی

---

۱ روتنا —

مولوی عبدالسلام صاحب نے ان اشعار کو جو معمولی تھے نقل کر لیا ہے۔ اگر وہ چاہتے تو انہیں شعرائے لکھنؤ آتش، ناسخ، بحر وغیرہ کے دواوین سے حد درجہ گندے شعر نکال سکتے تھے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ آتش، اور ناسخ، بحر اور خلیل جیسے اردو کے اساتذہ نے اگر ایسے عریاں محاورے اور شہوت انگیز جذبات استعمال کئے تو برے نہیں لوگ انہیں آنکھوں پر جگہ دیں اور جان اور رنگین نے اگر انہیں واقعات کو لکھ دیا تو غضب ہو گیا۔ صابر سے لیکر رام بابو سکسینہ تک چیخ اٹھے کہ فحش ہے مخرب اخلاق ہے کیا ہے اور کیا ہے۔

شعرائے عرب کے دواوین کا مطالعہ کیجئے تو آپ وہاں بھی ایسے ہی آبرو یا خستہ شاعر پائیں گے۔ عرب کے شاعر اعظم امراء القیس کا سارا دیوان آپ کو ایسے ہی "ریختیانہ" خیالات اور جذبات اور مناظر سے بھرا ہوا ملیگا اس کا مایۂ ناز "دارہ جلجل" والا قصیدہ جس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ

لا رُبَّ یومٍ کان مِنھُنَّ صالحٍ   ولا سیما یوماً بدارۃِ جلجلِ [1]

دارہ جلجل ایک تالاب تھا جہاں ایک دفعہ امراء القیس کی محبوبہ عنیزہ اور اس کی سہیلیاں کنارے پر کپڑے رکھ کر نہا رہی تھیں۔ اسی حالت میں یہ حضرت جا پہونچے اور سبھوں کے کپڑے سمیٹ چھپا ڈالا۔ اب جو

---

[1] وصل محبوب کے لحاظ سے جو اچھے دن گزرے ہیں ان میں وہ دن سب سے زیادہ اچھا تھا جو دارۃ جلجل میں گزرا۔

سبھوں نے نہا کر کپڑوں کا مطالبہ کیا تو آپ نے ان سب کو اور خاص کر اپنی محبوبہ عنیزہ کو پانی سے برہنہ نکلنے پر مجبور کیا۔ یہ قصیدہ عمدہ ترین کلام میں شمار کیا جاتا ہے۔ بہترین جذبات کا آئینہ اور نفیس ترین الفاظ کا حامل عمدہ تشبیہوں اور استعاروں سے بھرا ہوا خیال کیا جاتا ہے حالانکہ اس میں اسی نالاب والے واقعہ کی عریاں ترین تصویر ہے۔ جو نہایت ہی فحش اور شہوت انگیز بھی خیال کی جا سکتی ہے۔

یہ حال شاعرِ عجم کی مشہور ترین نظم شاہنامہ کو دیکھئے تو اکثر مناظر اور اشعار آپ کو دارِ طفل سے زیادہ عریاں نظر آئیں گے۔ یہی وہ کتاب ہے جس پر عجم کو ناز ہے جو "قرآنِ عجم" کہلاتی ہے۔ علاوہ ازیں اور اساتذہ عجم کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو ناسخ و آتش بحر خلیل کی طرح بیسیوں فحش اشعار ملیں گے۔

یونان کی مشہور شاعرہ سیفو کا کلام دیکھو تو وہ بھی اسی رنگ میں رنگا ہوا نظر آئیگا "دیوان" کے ساتھ اس نے جو کچھ کہا لکھ دیا اور لکھا بھی تو اس مزے سے کہ جان اور رنگین بھی مات ہو گئے۔ انہیں اشعار کو دیکھ کر یونانیوں نے سیفو کو آبرو باختہ قرار دیا اور سزا بھی دیدی مگر وہی لوگ اس کے کلام کے حافظ بھی رہے اور اب تک سیفو کا کلام موجود ہے۔

رونے کی جگہ ہے کہ مذکرہ بالا کلام میں کسی کو کیڑے نظر نہیں آتے مگر نظر آتے ہیں تو صرف ریختی میں کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں جو حضرت ناصحا

"دسع مالکرہ" پر عمل کر کے گزرے شعر نکال دے اور اچھے شعر کہیے!

ان نام نہاد علم برداران شعر و ادب کو معلوم ہونا چاہیے کہ بقول "لنکن"

"تم کچھ لوگوں کو ہمیشہ بیوقوف بنا سکتے ہو اور سب لوگوں کو تھوڑے"

"عرصے کے لئے دھوکہ دے سکتے ہو لیکن تم ہمیشہ سب لوگوں کی"

"آنکھوں میں خاک نہیں جھونک سکتے"

دنیا کا عجب حال ہے۔ "وکٹر ہیوگو" کہتا ہے۔

"وہی پیش پا افتادہ باتیں جن پر قلم اٹھانا کسی زمانے"

"میں خلاف علمیت سمجھا جاتا تھا آج دنیائے ادب میں عظمت کی"

"نگاہوں سے دیکھی جا رہی ہیں اور ان پر روشنی ڈالنا"

"معراج کمال کا ثبوت دینا ہے"

دس بارہ سال پہلے حیدرآباد میں محرم کے زمانے میں "رنگ" نکلتے تھے ان رنگوں میں عجیب قسم کی شاعری کی جاتی تھی، بعض عبدالکریم نتھو بیگ وغیرہ ان پڑھ شاعر رنگ بندی کیا کرتے تھے لوگ سنتے اور ہنستے شعراء باکمال ناک بھوں چڑھاتے بلکہ خوب خوب سناتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ اس شاعری کو سن کر خود مجھے ہنسی آتی تھی، مگر آٹھ دس سال بعد ہی زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہی نظمیں جو بابا لگل عبدالکریم دانا والی محرم کی رنگوں والی لے کی نظموں کی سی ہوتی تھیں۔ ہندوستان میں عام طور پر پسند کی جانے لگیں۔ جوان مرگ ادیب مولوی عظمت اللہ خاں بی۔ اے نے مجھے بھی اس رنگ کی

نظمیں کہنے پر مجبور کیا اور میں نے بھی کہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا!

ہندوستان اور دکن میں عام طور پر بارہ پندرہ سال پیشتر چکی پر گیت گانے کا دستور تھا یہ گیت غالباً چکی پیسنے والیوں ہی کی ایجاد ہوئی تھیں جب سے کہ آٹے کی گرنیاں نکلیں چکیاں بند ہوگئیں مگر ہزاروں کان ان گیتوں سے آشنا ہوں گے وہ گیت بالکل عظمت اللہ خاں مرحوم کی نظموں کی سی ہوتی تھیں، عظمت مرحوم کہتے تھے کہ انکی نظمیں ہندی نظموں کی تتبع میں کہی ہوئی ہیں "ہندی کہنڈ" ایسے ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم مگر ظاہرا طور پر تو بالکل چکی کی گیتوں کی طرح ہوتی تھیں، مگر دلگی یہ ہے کہ چکی کی گیتوں کی ہنسی اڑائی جاتی ہے انہیں کوئی پسند نہیں کرتا لیکن عظمت اللہ خاں کی نظمیں عام طور پر پسند کی گئیں۔ یہ زمانہ کا تغیر نہیں تو کیا ہے؟

اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اچھا اور برا دیکھا جائے "سنی سنائی" پر مطلق عمل نہ ہو بلکہ ہر چیز کی بھلائی برائی اسے دیکھ کر معلوم کیجائے۔ زبان اردو اگر کسی شاعری کو حقیقی شاعری بنا کر پیش کر سکتی ہے تو وہ نہ تو قصیدہ ہے نہ غزل، نہ رباعی ہے، نہ واسوخت ریختی اور صرف ریختی حقیقی شاعری کی حیثیت سے پیش کی جا سکتی ہے۔

عربوں نے شعر کی تعریف یہ کی ہے کہ۔

"الشعر یمنعہ لبنة الکلام"

وہاں کوئی کیوں رہے ہو وہیں جہاں ایسی جلاد
رہی یاں اپنا کوئی مار کے جی منگلانی

کہا کے جب طیش سے او کہا اُسنے کیوں کرے مجھے
تب یہ جھنجلا کے کہا میں نے کہ بی منگلانی!

نہیں ہنستی ہو تو لو جاؤ جی بس بس بخشو!
میں بھی گینتی ہوں بلا اور ابھی بسلانی

اس کو سر پہ اُٹھایا تھا غل کل ہی سے تو
لیکن اس بات کو سنتے ہی ڈری منگلانی

کیا یہ وہی زبان نہیں جو ہندوستانی شریف مائیں نہیں بولتی ہیں کیا یہ وہی واقعہ نہیں جو اسی طرح یا ذرا سی تبدیلی کے ساتھ ہر ہندوستانی گھر میں پیش آتا ہو۔ دیکھئے عورت کی فطرت کو کس عمدگی سے نمایاں کیا ہے عورت کی یہ فطرت ہے کسی عورت نے اپنی کسی چیز پر اس کے سامنے غرور کیا کہ وہ بگڑی تاوقتیکہ بقول رنگین کے اس کا "مان" نہ گھٹالے چین نہ لے گی چاہے منگلانی کپڑا اچھا سی کر ناز کرے یا کھانا اچھا پکا کر ذرا اترا جائے پھر یہ تو ملازمین ہوئے اسے تو اپنی عزیزوں کا بھی "اترانا" پسند نہیں آنا چاہیے وہ بہن بھانجی ہی کیوں نہ ہو! اسی طرح رنگین کا ہر شعر فطرت نسوانی کی سچی تصویر نظر آئے گا اس میں چند فحش باتیں ضرور آگئی ہیں جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ واقعات ہیں۔

رات کو مجھے یہ تیری دیکھ لی چوری انا
سوالی اور بیٹھی جڑ بھی تجھے بھی گوری انا

آخر میں نے کہا یا رنگین نے "مثنوی در بیان سیر باغ" اور اظہار احوال دو عورتوں کا رو برو باجی کے لکھا اور اسی غیر فطری کام کی تفصیل

۱؎ [illegible]

بتائی تو یار لوگ بگڑ بیٹھے کہ گندہ اشعار ہیں فحش ہیں اور شہوت انگیز ہیں۔
مگر کسی شخص میں اس قدر جرأت ہے کہ وہ ان واقعات کو غلط ظاہر کر سکے؟
"ڈاکٹر بری سکشوئل اسپ فنڈنگ" "سائکالوجی آف سیکس" "مڈیکل
جورس پروڈینس" "دی سکشوئل لائف آف اور ٹائم" "برٹش میڈیکل جرنلز"
ان تمام واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ کیوں نہ انہیں جلا دیا جائے۔
کیوں ان کی اشاعت روک دی جائے۔ کیوں نہ انہیں ضبط کر لیا جائے۔
دنیا بھر کے کارخانے۔ زنانی مدارس۔ زنانی دار الاقامے۔ زنانی جیلخانے
جس طرف نظر اٹھائے یہی منظر پیش نظر ہوگا۔ زمانہ قدیم کی مشہور مصری
ملکہ "ہیٹا" جو مصنوعی ڈاڑھی مونچھ لگاتی اور مردانہ لباس پہنتی تھی۔
اسی لعنت میں مبتلا تھی۔ روس کی ملکہ کیتھرائن! باوجود شادی شدہ اور
کئی بچوں کی ماں ہونے کے ایسی ہی مشہور تھی۔
عورتوں نے اس ایک طریقے کے علاوہ تسکین خواہشات کے کئی
ایک طریقے ایجاد کئے ہیں بعض مصنوعی آلات بھی بنائے ہیں۔ خیر یہ
گزری کہ ریختی گویوں کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا ورنہ ایک آفت
بپا ہوتی!
بہرحال بقول "ڈاکٹر کوشر" "یہ لعنت تمام دنیا کی عورتوں پر مسلط
ہے"۔ اگر ریختی گویوں نے ایک آدھ شعر میں اس کا تذکرہ کر دیا تو کونسی
قباحت کی جس کی وجہ تمام "ملّا" وضع لوگ بگڑے ہوئے ہیں۔
یہی ایک چیز ہے جو ریختی میں زیادہ ہے ورنہ اور سب باتیں جو

ریختی میں موجود ہیں وہ سب کی سب آساتذۂ لکھنؤ کے دواوین میں موجود ہیں۔
مثنوی کہنے والوں نے تو (میرحسن سے لے کر شوق تک) خوب دل کھول کر
اس قسم کے مضامین لکھے ہیں۔ مگر کوئی اللہ کا بندہ ان کو برا نہیں ٹھہراتا۔
البتہ بُرا ہوتا ہے تو ریختی اور صرف ریختی پر!

ریختی کی ابتدائی تاریخ تو آسانی سے معلوم ہوتی مگر یہ معلوم کرنا مشکل
ہے کہ ریختی ایجاد کیسے ہوئی؟ اور کیوں ہوئی؟ نام سے ظاہر ہے کہ یہ ریختہ
کی تانیث ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ریختہ کے بعد کی چیز ہے مگر یہ سوال
حل نہیں ہوتا کہ کیوں ایجاد کی گئی۔ انشاء اللہ خاں کا بیان ہے کہ رنگین
نے اس کو اس لیے ایجاد کیا کہ شریفوں کی بہو بیٹیاں خراب ہوں۔ رنگین کہتے
ہیں کہ میں نے عرس شیطانی میں جا کر خانگیوں سے میل ملاپ بڑھا کر یہ چیز
حاصل کی۔ [illegible] نے اسی کو دہرایا اور "بیگمات شوخ چشم شاہجہاں آباد" لکھا ہے
انشاء اللہ خاں کا یہ بیان کہ رنگین نے شریفوں کی بہو بیٹیوں کو آوارہ بنانے کے لیے ایجاد کی کچھ زیادہ باوقعت
نہیں ہے اس لیے کہ نہ تو اس زمانے میں رنگین کا کلام اس قدر مشہور ہوتا کہ
ادھر سے نکلتا ادھر لوگوں کے زنان خانوں میں پہنچتا اور نہ کتابت
و طباعت کی یہ سہولتیں تھیں کہ وہ شائع کرکے گھر گھر پہنچوا دیتے اور نہ
اس زمانے میں عورتیں اتنی لکھی پڑھی تھیں کہ رنگین کی ریختیوں کا مطالعہ
کرتیں اور نہ اس زمانے کے مرد اسے پسند کرتے کہ ان کی بہو بیٹیاں اس
قسم کے اشعار کا مطالعہ کریں۔

رنگین کا یہ کہنا کہ خانگیوں کی ہمنشینی سے انہیں ریختی کہنے کی طرف

رغبت ہوئی۔ ایک حد تک درست ہے رنگین ایک حد تک رنگین مزاج واقع ہوئے تھے عیاش آدمی تھے۔ خانگیوں سے خوب خوب صحبتیں رہیں اور اسی صحبت نے ان کی زبان پر زنانہ محاورات جاری کر دئے اور انہوں نے نظم کرنا شروع کیا۔ اسی طرح قیس کو بھی قلعہ معلیٰ کے محاورات اچھے معلوم ہوئے اور انہوں نے انہیں موزوں کر دیا۔ بات در اصل یہ ہے کہ نسوانی اردو ہی بھی نہایت ہی دل آویز چیز ہے شرر تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"عورتوں کی زبان مردوں کے مقابل ہر ملک اور ہر قوم میں زیادہ شستہ اور دلکش ہوتی ہے۔ لکھنؤ میں خاص بات تھی کہ محلات اور محترم خاندانوں کی معزز بیگموں کی زبان میں علاوہ نسائی دلفریبیوں کے ادبی اور شاعرانہ نزاکتیں پیدا ہو گئی تھیں باتیں کرتیں تو معلوم ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں اور غور کیجیے تو صحت الفاظ۔ پیاری بندشیں اور طرز ادا کی نزاکتیں بتاتیں کہ زبان کی خوبیاں اس سرزمین میں کس اعلیٰ کمال کو پہونچ گئی ہیں"

(مضامین شرر مشرقی تمدن کا آخری نمونہ صہ۱۰۱ تا ۱۱۲)

دنیا میں انسان اور بقول ڈاکٹر گھوش کے ہر ذی روح اور غیر ذی روح دو طبقوں میں منقسم ہیں۔ مذکر اور مونث یہ تقسیم بالکل فطری

اور قدرتی تغیرات کے ساتھ ساتھ ایک درمیانی چیز بھی پیدا ہو گئی ہے یعنی عورت اور مرد کے بیچوں بیچ ایک تیسری صنف نے بھی جنم لیا ہے اور اس طبقے میں دونوں اصناف کے افراد پائے جاتے ہیں۔

وہ مرد جن پر عورتوں کے خیالات کا زیادہ اثر پڑا یا کسی قدرتی کمی سے ان میں نسائیت پیدا ہو گئی تو وہ اپنے آپ کو عورت سمجھنے لگے حالانکہ قدرت نے انہیں مرد پیدا کیا تھا مگر وہ منشائے قدرت کے خلاف نہ تو عورت بن سکے اور نہ مرد ہی رہے بلکہ ایک جداگانہ ہستی قائم ہو گئی۔ اسی طرح بعض عورتیں بھی اپنے اندر مردانہ جذبات اور مردانہ خصوصیات کو محسوس کر کے مرد بننے کی کوشش کرنے لگیں مگر وہ نہ تو مرد ہی بن سکیں اور عورت ہی رہیں بلکہ ایک جداگانہ حیثیت قائم کر کے درمیانی قرار پائیں۔ اسی طرح آپ کو درمیانہ مرد اور درمیانہ عورتیں اکثر ملیں گی۔ مردوں کے اس درمیانہ طبقے کے متعدد نام رکھے گئے اور مختلف ملکوں میں مختلف اسمائے سے مشہور ہیں۔ مگر عورتوں کی اس درمیانی صنف کا کوئی نام ہی نہیں تجویز کیا گیا اور نہ کسی ملک میں کسی خاص نام سے شہرت ہوئی چونکہ بہ نسبت مردوں کے ان کی تعداد کم تھی اس لئے الشاذ کالمعدوم کے تحت انہیں بمنزلہ صفر ہی سمجھا گیا۔

مردوں میں نہ صرف بعض اس درمیانہ روش پہ گامزن نظر آتے ہیں بلکہ بعض ایسے بھی ہیں کہ ان میں سوائے نزاکت خیال کے اور کوئی بات عورتوں کی سی نہیں ملیگی اور اسی طرح بعض عورتیں بھی نسائیت کا

مکمل نمونہ ہونگی مگر ان کے خیالات مردوں کے سے ہوں گے بنسبت ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے مرد اپنے آپ میں نسوانی خیالات کی موجودگی اور ان کے جذبات کی لطافت کو محسوس کرتے ہیں اور نہ عورتیں اپنے تئیں مردانہ خیالات کی حامل سمجھتی ہیں انہیں عورتوں کے متعلق بیگم صاحب نے کہا ہے۔

ہاتھ میں جن کے قلم ہو بات میں جن کی اثر   اسے زیادہ عورتیں بھی مردوں سے کم نہیں

یہی نسوانی خیالات کی رو تھی جو مردوں میں پیدا ہو کر ریختی گوئی کی باعث ہوئی نہ تو کوئی فحش خیال اس کا محرک ہوا اور نہ میلوں تماشوں کی سیر ہی۔ ہاشمی دکنی (متوفی ۱۰۹۸ھ) کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ وہ تماشوں میں جاتے پھرتے تھے، اور عرس میں جا کر خانگیوں کی تماش بینی کیا کرتے تھے وہ بیجاپور کے مشہور مرشد سید شاہ ہاشم کے مرید اور خود بھی ایک صاحب دل بزرگ تھے۔ علی عادل شاہ کے درباری شاعر ہونے کی وجہ ان کا کیرکٹر اور بھی مضبوط اور بے عیب تھا، قدرت نے دیدۂ ظاہری بھی بند کر دئے تھے اب سوائے اللہ اللہ کے اور کیا کر سکتے تھے۔ مگر باوجود اس کے ان میں نسوانی خیالات کی ایک رو تھی جو انہیں ریختی گوئی کی طرف لے گئی اور انہوں نے ریختی کا دیوان مکمل کر لیا۔

اُو جسدن گول کنڈہ ہی میں گئی ہو یاد ہیں یاں
ہیں تم مل کو بیٹھے سکھی جسدن دلا رکیں

سجن آویں تو پردے کو نکل کر بھار بیٹھونگی   بہانہ کر کے موتیاں کا پروتی ہار بیٹھونگی
اپہوں یاں آ ویکھینگے تو ہونگی کام کرتی ہوں   اکہلی اور سہلی جیب گھڑی دو چار بیٹھونگی

یہ جذبات اسی وقت قلمبند کئے جا سکتے ہیں جب عورت کی نفسیات پر
مرد کو کامل عبور حاصل ہو جائے یا مرد عورت کے خیالات میں ڈوب جائے
مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ مرد آخر مرد ہی ہے کبھی وہ مکمل عورت نہیں بن سکتا
ریختی کہتے کہتے تصوف پر اتر آیا جو اس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

عرفان کیاں کتاباں پڑھ سکی ہوں تب سے
جب سے لگی ہوں پڑھنے تیرا کلام لولو

اسی طرح خاکی نے بھی اسی رنگ میں ڈوب کر ریختی کہی ہے اور معرفت
و سلوک کے مضامین باندھے ہیں سید محمد قادری جیسے متقی سید پیران پیر
پاکباز کے متعلق کون شبہ کر سکتا ہے کہ یہ لوگ برے کردار کے تھے۔
اسی طرح 'جان صاحب'، 'انشا' صاحبقران کے متعلق مشہور ہے کہ اگر یہ لوگ
نہایت متقی پرہیزگار تہجد گزار نہیں تھے تو بدکردار بھی نہ تھے ان کے اخلاق
کے متعلق کسی کو شبہ نہیں ہے اکثر تذکرہ نویسوں نے تعریف کی ہے خاص کر
انشا کا کیرکٹر تو نہایت اچھا مشہور رہا ہے۔ اسی طرح نواب سید قمر الدین قدس دربار
حیدرآباد چندو لال کے شاگرد تھے [illegible] صاحب دکن کے ذی وجاہت
لوگوں میں سے تھے ان کے اخلاق و عادات بھی نہایت عمدہ اور قابل ستائش
تھے میں نے زمانہ ہمارے پیش نظر رہا مرزا صاحب بیگم میں جہاں سے بوڑھے
ہو گئے ہیں مگر ان میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو ان کی جوانی کے متعلق
خیال قائم کر سکیں ہم دیکھ سکتے ہیں نہایت ہی وضع دار پابند مذہب
اور متقی بزرگ ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ادیب ان کے جذبات

واحساسات ہو بہو عورتوں کے سے ہیں اور یہی وجہ ہے جو وہ کامیابی سے ریختی
کہہ سکتے ہیں۔

ریختی کے فوائد اور نقصانات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ریختی سے
کوئی نقصان نہیں ہوا البتہ ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ عورتوں کی وہ گھریلو زبان
جو گھر کی چار دیواری ہی تک تھی وہ ریختی میں منظر عام پر آگئی اور زنانی محاورات
و اصطلاحات نظم ہونے کی وجہ سے محفوظ ہوگئے۔ رہا یہ اعتراض کہ ریختی سے
اخلاق کو نقصان پہنچا۔ اس کو ماننے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں اور نہ اس وقت
ہم اخلاقیات پر کچھ لکھنا ہی چاہتے ہیں۔

ہندوستان کی عورتوں کی ایک مستقل زبان ہے اور وہ ایک مدت
سے چلی آرہی ہے مگر اب اس کو ستیاناس کرنے والیاں بھی پیدا ہوگئی
ہیں۔ اچھی خاصی چونڈے والیاں نظمیں لکھتی ہیں تو مردوں کے رنگ میں
مضامین لکھتی ہیں تو بالکل مردانہ انداز سے مگر وہ کیا کریں گی ان پر مردانہ
تخیلات اور جذبات نے اس قدر گہرا اثر کر لیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھلا
بیٹھی ہیں یہ وبا عام ہوتی جارہی ہے۔

ریختی کہنے والے اب بھی موجود ہیں اور بعض شعرا ریختی بھی کبھی کبھار
ریختی شعر کہتے ہیں مگر یہ ریختی گو نہیں کہلا سکتے۔ ریختی کا ذوق اس قدر گھٹ گیا ہے
کہ اب ریختی گو پیدا نہ ہوں گے۔ ہاشمی، خاکی، رنگین، انشا، جان صاحب،
نازنین بیگم کے علاوہ اور ریختی گو شعرا کا کچھ کلام آپ کو اس تذکرے میں
نظر آئے گا مگر یہ لوگ مستقل ریختی کے شاعر نہیں کہلا سکتے اور نہ تھے

کوئی خاص بات ہی پیدا کی۔

جہاں تک ممکن ہوا اردو تذکرہ نویسوں نے ریختی سے پہلو تہی کرنے کی کوشش کی ہے، زمانۂ حال کے سنجیدہ تذکروں میں سے گل رعنا، شعر الہند اور تاریخ ادب اردو کا مطالعہ کیجیئے تو آپ کو ریختی کی تھوڑی سی مذمت ضرور ملے گی مگر ایک شعر بھی نظر نہیں آئیگا، فنی اعتبار سے ہر تذکرہ نویس کا فرض ہے کہ وہ ہر ایک اچھی اور بری چیز کو پیش کر کے اس پر خیال آرائی کرے مگر افسوس ہے کہ ریختی کے متعلق ایسا نہیں کیا گیا۔ سرے سے اس کو بری چیز سمجھکر ایک قلم ترک کر دیا گیا اور ہمارا جہاں تک خیال ہے ان تینوں تذکرہ نویس حضرات نے جن کے تذکروں کے نام اوپر لکھے گئے ہیں ریختی کو دیکھنے کی زحمت تک نہیں کی صرف سنی سنائی باتوں پر لکھ مارا کہ ریختی ایسی اور ویسی ہے ورنہ انہیں جہاں ریختی میں برے اشعار نظر آتے ان کے ساتھ ہی ساتھ اچھے شعر بھی ملتے، ریختی میں کوئی ایسی چیز نہیں جو موجود نہو، قصیدہ اور سہرا یا سے لیکر واقعہ نگاری کی کٹھن منزلوں میں تک آپ ریختی کے میدان کو وسیع پائیں گے، نازنین کا خمسہ قاسمی کی غزل پر ملاحظہ کیجیئے مقطع کے جو مصرع لگائے ہیں وہ ہیرے ہیں کہ جڑ دئے ہیں اس طرح سے شعر کچھ نبھایا ہے کہ واہ آج تک سینکڑوں نے اس غزل پر خمسے کئے ہیں حدیث قاسمی کے نام سے ایک رسالہ ہی طبع ہو چکا ہے۔ جس میں اس غزل پر مختلف لوگوں کے خمسے ہیں جن میں سے ایک خمسہ نازنین کا بھی ہے۔ مگر نازنین نے مقطع میں جو بات پیدا کی وہ کوئی

پیدا نہ کر سکا۔

ورد عصیاں تھی جو نازنین کو بیتابی　　سینہ پہ آنچل و دوپٹے کا لیے روتی تھی
دیکھا اس دکھیا کا عالم تو اُسے کچھ نہ بنی　　سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

اپنی بے تابی سے پریشان کر کے قدسی کو پریشان دار دربار رسالت میں بھیجنا نازنین ہی کا کام تھا۔ اسی طرح جان صاحب اور رنگین و انشا نے کوئی مضمون نہیں چھوڑا۔

جمشید کا پیالہ میری فکر ہے ہوا　　مضمون آئینہ کیا سارے جہان کا

گھر کی چھوٹی سے چھوٹی بات سے لیکر باہر کی بڑی سے بڑی بات موزوں اور محفوظ کر دی۔ جان صاحب کا زمانہ گیا۔ رنگ بدل گیا فضا بدل گئی بلکہ اب دنیا ہی نئی ہو گئی بیگم نے بھی اس تبدیلی سے متاثر ہو کر ریختی میں جدت پیدا کی۔ بیگم کی وہ طویل نظم دیکھئے جو اُردو کی ابتدا کے متعلق ہے۔ کس قدر سلیس اور عمدہ ہے۔ اسی طرح خیالات میں بھی جدت پیدا ہوتی گئی۔

پھر ہو ہی عورتوں پر جو تھوڑا تھوڑا ظلم　　کونسلوں میں جب کہ لی خانم نہیں بیگم نہیں
ہاتھ میں جنکے قلم ہی بات میں جن کی اثر　　اُسے ہوا وہ عورتیں بھی مردوں سے کم نہیں
بیویاں ہیں ہیری لیکن انکی مجلس ہی تو ہو　　چند تصویریں ہیں حیراں ورنہ کوئی الم نہیں
قطرے میں تھا انسان پڑا پیٹ میں جس دم　　روتا ہوا جب گود میں آیا تو بشر تھا
الٰہی خیر انکی جان کی ہو ایک مدت ہے　　نہ وہ آئے نہ خط بھیجا نہ کوئی انکا تار آیا

شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد یوسف جعفری کلکتہ یونیورسٹی کے عربی و فارسی کے لکچرار اور بورڈ آف اگزامنرز کے چیف مولوی عظیم آباد پٹنہ کے عالم و فاضل بزرگ تھے، تفنن طبع کے طور پر ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر بالکل آج کل کے رنگ میں رنگی ہوئی۔

غرض سرمہ لگانے سے نہ مطلب پان کھانے سے
ہوئی خاصی فرنگن اختری تعلیم پانے سے

اگر ریختی باقی رہی اور زمانۂ حال کے شعراء دلچسپی لیں تو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ ماحول کے اثرات پڑیں گے۔

ہم نے ریختی کی وکالت کا بیڑا ہی اٹھایا ہے اور نہ ہمیں ریختی سے خواہ مخواہ کی ہمدردی ہے جو ہم اصناف سخن میں ریختی کو سب سے اچھی چیز ثابت کریں۔ ہم ریختی گوئی کو غزل گوئی کی مماثل قرار دینا چاہتے ہیں نہ مرثیہ کے درجہ تک پہنچانے کے آرزومند ہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ریختی کو دیکھا جائے اسے پرکھا جائے اور اردو ادب سے جو اسے حرف غلط کی طرح مٹایا گیا ہے اس کی تلافی کی جائے اور ادبیات میں اسے کوئی نہ کوئی درجہ دیا جائے۔ چاہے آپ اسے ظریفانہ شاعری کے ساتھ جگہ دیں یا کسی اور صنف میں مگر اس کے لئے جگہ ضرور نکالئے۔

ادب اور اخلاق دو بالکل جدا گانہ چیزیں ہیں شعر کو ادب کی کسوٹی پر کس کر دیکھنا چاہئے اخلاق کی کسوٹی پر پرکھنا فضول ہے۔ ادب میں حیا و شرم بے حیائی اور فحش کا معیار اگر مقرر کر دیا جائے تو آپ کو مجبوراً بہترین ادبی شہ پارے تلف کر دینے پڑیں گے۔ عمدہ سے عمدہ کتابیں جلا دینی

پڑیں گی افسوس ہے کہ یوں ہی میری پریشان خیالی بہت طویل ہو گئی ہے ورنہ میں ضرور ادبیات میں شرم و حیا کے معیار پر کچھ لکھتا۔
تذکرہ پریس میں جا چکا تھا اور آدھی سے زیادہ طباعت بھی ہو چکی تھی کہ میں بخار میں مبتلا ہو گیا اور اب تک ہوں۔ اسی بخار کی حالت میں اس مقدمہ کو مکمل کیا ہے۔ آپ خیالات کی بے ترتیبی اور پریشاں نگاری سے خود سمجھ جائیں گے کہ کس قدر "بوکھلاہٹ" میں یہ سطریں لکھی گئی ہیں۔

الداعی

کوٹلہ عالیجاہ حیدرآباد دکن　　　　تمکین کاظمی

۱۱ر جنوری ۱۹۴۳ء

فہرست

اشرف

ولی کے معاصر تھے، ان کے کلام پر بھی ریختی کا شبہ ہوتا ہے۔

پیا بن ہیرے تیں بیراگ بہایا ہے جو ہونا ہو سو ہو جائے
بھبوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہے جو ہونا ہو سو ہو جائے

(طبقات الشعراء ہند صـ ۹۳)
(چمنستان شعراء قلمی) (رسالہ تجلی بابتہ اکتوبر ۶۲ء صـ ۵۵)
(نکات الشعراء صـ ۱۰۸)
(اردو شہ پارے جلد اول صـ ۱۴۷ و صـ ۱۴۸)

انشا

میر انشاء اللہ خاں نام انشا تخلص میر ماشاء اللہ خاں کے فرزند چونکہ
ان کے والد خود شاعر اور عالم و فاضل تھے اس لئے انشاء کی تعلیم و تربیت میں
بھی اچھی طرح کوشش کی، انشاء نے فارسی و عربی میں خاصی استعداد پیدا کر لی
تھی، طبابت میں بھی خاص دخل تھا، فارسی اردو، عربی میں آسانی سے شعر کہتے تھے،
مرشدآباد میں پیدا ہوئے وہیں ہوش سنبھالا، اور دلی جا کر شاہ عالم کے دربار
میں منسلک ہو گئے، چند روز رہ کر لکھنؤ پہونچے اور مرزا سلیمان شکوہ کے دربار
میں رسائی پیدا کی، پھر نواب سعادت علی خاں کے دربار سے تعلق پیدا کیا
اور وہ ٹھاٹھ باندھا کہ نواب کو اپنا کلمہ پڑھا دیا۔
۱۲۲۵ھ میں نواب سے ترک گئی خانہ نشیں ہو گئے انہیں دنوں جوان
بیٹا تعالی اللہ خاں مر گیا آزادانش شاعر کو نظر بندی اور خانہ نشینی نہایت
تکلیف دہ تھی مگر پھر بھی تقریباً آٹھ سال اسی حالت میں گزار کر محرم سنہ ۱۲۳۳ھ
میں قید ہستی سے آزادی حاصل کی۔
کلیات مطبوعہ موجود ہے جس میں فارسی اردو کا مکمل دیوان ہے اور قصیدے،
غزلیں، قطعے، مخلوط، رباعیاں، پہیلیاں، چیستانیں، ہجویں، مثنویاں سبھی
موجود ہیں، عربی، فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی، پشتو، پنجابی، مرہٹی
وغیرہ وغیرہ کتنی ایک زبانوں میں مصرعے اور اشعار مسلسل موزوں کئے
ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے ہر ایک زبان تھوڑی تھوڑی جانتے ہونگے۔
اسی زمانے میں رنگین نے ریختی کہنی شروع کی تو آپ نے ابتداً

اُسے پسند نہیں اور دریائے لطافت میں یہ کہہ کر اپنی نفرت کا ثبوت دیا کہ۔

"سب سے زیادہ ایک اور سنیے کہ سعادت یار طہماسپ کا بیٹا"
"انوری ریختہ آپ کو جانتا ہے، رنگین تخلص ہے ایک"
"قصہ کہا ہے۔ اس مثنوی کا نام دلپذیر رکھا ہے۔ رنڈیوں"
"کی بولی اس میں باندھی ہے۔ میر حسن پر زہر کھایا ہے"
"ہر چند اس مرحوم کو بھی شعور نہ تھا، بدر منیر کی مثنوی"
"نہیں لکھی گویا سانڈے کا تیل بیچتے ہیں، بھلا اس کو"
"شعر کہا کر کہیے، سارے لوگ دلّی کے لکھنؤ کی رنڈی سے"
"لیکر مرد تک پڑھتے ہیں"

"چلی واں سے دامن اٹھاتی ہوئی ۔۔۔ کڑے کو کڑے سے بجاتی ہوئی"

"سو بچارے رنگین نے بھی اسی طور پر قصہ کہا ہے۔ کوئی"
"پوچھے بھائی تیرا باپ رسالہ دار سلم۔ لیکن بیچارہ بر چی"
"بھالے کا رکھنے والا تیغے کا چلانے والا تھا تو ایسا قابل"
"کہاں سے آیا اور شہدین جو بہت مزاج میں رنڈی بازی"
"سے آ گیا ہے تو ریختے کے تئیں چھوڑ کر ایک "ریختی"
"ایجاد کی ہے اس واسطے کہ بھلے آدمیوں کی بہو بیٹیاں"
"پڑھ کر مشتاق ہوں۔ بھلا یہ کلام کیا ہے ۔۔۔۔۔۔ اور ایک"
"کتاب بنائی ہے جس میں رنڈیوں کی بولی لکھی ہے"

مگر یہ نفرت قائم نہ رہ سکی چند ہی روز کے بعد خود حضرت نے میر حسن کے "شانڈے کے تیل" والے اشعار سے بھی زیادہ گئے گزرے شعر کہنے شروع کئے اور رنگین کی شہادین کی ریختیوں سے بھی زیادہ عریاں ریختیاں لکھیں حتیٰ ایں کہ ریختی میں دیوان مکمل کر لیا، رنگین کی ریختیوں پر ریختیاں کہیں اور اس رنگ میں بھی خاص شان پیدا کر لی۔

(تذکرہ گل رعنا ص ۲۵۳ تا ۲۶۳، طبقات الشعراء ہند ص ۳۰۱، شعراء الہند ص ۔، سخن شعراء ص ۵۲ تا ۵۴، قطعہ منتخب ص ۵ و ۶، نغمہ عندلیب ص ۱۰، خمخانہ جاوید جلد اول ص ۲۶۴، قاموس المشاہیر جلد اول ص ۱۱۱)

انتخاب ریختی انشا

جب سے کہ سامنا ہے اس چاہ کی گلی کا   ہے ورد تجھ کو حضرت مشکل کشا علی کا

مرجھا گیا دل اپنا تو نقشہ یاد آیا   بے اختیار تجھ کو اک پھول کی کلی کا

ہاتھوں سے تیرے میں تو کمبخت عاجز آئی   جو کام ہو نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا

کیوں کر قدم رسولوں جا کر بھبھوت چوکی   رکھیے جو آسرا تو ایسے مہابلی کا

تیری تو انشا کبھی بات نہ باور کرے   جا سہیں کر اگر آئے تو قرآں کا

بندی کی دشمنی میں ناحق بچہ ہوں آئی   لگ جائے ان کے منہ پر از غیب کا تھپیڑا

چوٹی یہ تیری سانپ کی ہے لہر دوگانا   کہانی ہوں تیرے واسطے میں نہ ہر دوگانا

بلبلی ٹھیکری اک ڈھونڈھ کے لا دو جس سے   اپنی رگڑا کروں میں پاؤں کی ایڑی نا

تھام تھام اپنے کو رکھتی ہوں بہت سا لیکن   کیا کہوں تھم نہیں سکتا مرا اندر والا

نری مہر گر پڑی تو اری منہ تھام اپنا   یہی ہے اچھی اس پر تو کھدا لے نام اپنا

بھر آئی میری آنکھ تو انشا نے یہ کہا   لگتا ہے مجھ کو آنسو سے بہانا بہت برا

کسی کا باغ تو لوٹا نہیں ہے میں نے   گود پھولوں سے بھری ہوں تو بھلا تجھ کو کیا

تو چیاست میں مری ہی حد بڑا تیرا اگلا   خوش نہیں آتا ہمیں بی فاختہ یہ چوچلا

خط ہیر بچے کو دیا بوڑھی کے اور پر جا کوئی بوڑھا سا   انشا تو ہے ہنستا کھٹا یہ دوگانا بات گئی بیا

لہرین توڑ کے تیرے ڈر کے مارے ہانپتی ہیا   چونک پڑے کہ اٹھی ہوں میں ارے توبہ کر نشا نشا

نوج یوں کو ٹھے پر آئیں ای بڑی آلی اتو   لوگ سب سے تے ہو تم نے جگائے ہانپ ہانپ

سیج پر تو ہی جو ہو تو بہانا ل   چین تجھ کو نہیں کسی کروٹ

میری آنکھ لگی ہے بوڑھی ماں کے اٹھن کی گویا   رات پالی ہم ہمیشہ ہے اور پوپھٹی صبح

میں تیرے صدقے گئی اے میری پیاری مت چیخ
مت جگا نیند بھرے لوگوں کو واری مت چیخ

لگتی ہی چوٹ تو لگنے دے مسوس اور ذری -
ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت چیخ

اپنا چونڈا نہ ہلا دُم نہ پھلا اے بلبل -
کہہ دیا میں نے نہیں تجھکو کہاں ری مت چیخ

کیوں میرا مغز پھراتی ہے اری بیٹا چپ -
اُڑ گئی دور بھی ہو جیسے گنواری مت چیخ

اے بُری دالی گئی گذری ہوئی باتیں نہ چھیڑ
تو چھتی کیوں ہے بھلا اس دل کے زخموں کے کھرنڈ

آپ کی گائن کی کیا تعریف کیجئے واہ واہ -
کوئی دھوبی گھاٹ پر جس روپ گاتا ہو کھنڈ

بیگما نے جو کیا جھک کے سلام آ تو کہو
آغا پینا نے سنا لی اُسے یونہی آواز

یہ تو ں پھلنا تجھے اور دو دھوں نہانا ہو نصیب
بیاہ ہو سونے کے سہرے سے تیری عمر دراز

نہیں زیور کی کچھ بھبن پر غش

۷

میں تو ہوں تیرے سادہ پن پہ غش
چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیرا پاکھ ہے
سچ تو یہ ہے یہ سارا حسن کا عالم غلط
اجی بی بی سیدانی صدقے گئی تھی
مجھے ہے تمہاری دعا کی تو رقعہ
بیگما چاہ بہی پیسا اڑے ہے ایک
اس میں اک ٹھنڈی سانس جھاڑے ہے ایک
اری بی ایک ہی عیار ہو تم
ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم
چھیڑ کی بات سوا اور نہیں۔
لینے لڑنے ہی پہ تیار ہو تم
انشا کی بات چیت میں جو چھیڑ چھاڑ ہے
سو لذت النسا میں کہیں ہے نہ کوک میں
بس کہیں جیکے بھی ہو ایسے کہیں تو نے کروڑ
جیب میں میری بھری ہیں پولیاں اور ٹھولیاں
پانچے ڈھیلے پیناہیں سب نے کیں اب ٹھیک ٹھاک
اڑ گئے وہ لمبے دامن اور اونچی چولیاں
کچھ نہیں معلوم پوچھو کونسا میلا ہے آج
جاتیاں ہیں جو کھچا کھچ ڈولیوں پر ڈولیاں

کیا تیرے سر آپڑے ہے چاروں کے چاروں الاماں
شاہ دریا، شیخ سدّو، زین خاں ننھے میاں
میں تیرے صدقہ نہ رکھ اے میری پیاری روزہ
بندی رکھ لیگی تیرے بدلے ہزاری روزہ
جو ہم کو چاہے اس کا خدا انت بھلا کرے
دودھوں نہائے اور وہ پوتوں بھلا کرے
روٹھے ہوئے کو کس لئے جا کر منائیے
منت کسی نگوڑے کی اپنی بلا کرے
جو دل کی آرسی کو ہماری جلا کرے
اس کا کنول خدا کی طرف سے کھلا کرے
چھوا ہے کچھ نہ چھیڑا ہے کسی نے اب تلک انکو
ابھی سے بیگما جی نے بھلا کیوں منہ بگاڑا ہے
خدا ان کو اجاڑے سے لے ہاتھ سے ان باغبانوں کے
جنہوں نے اس موئے بلبل کے گھونسلے کو اجاڑا ہے
میری بدی ہیں جو کوئی ہووے
اس سے سمجھ لے تو ہی الٰہی
یوں لگی کوسنے چوپڑ میں چوہاری وہ پری
ستی ہو جائے دسن مر تیرا راجہ نل جائے
رات بھر اپنا ترستا ہی رہا جی باجی!

اب تو نوبت بجی اٹھو اجی باجی یا جی!
اے تو اس کوٹھری میں میرے ڈرانے کے لئے
ایک عبا اوڑھ کے بن بیٹھے ہیں حاجی یا جی!
چبھتی ہے یہ نگوڑی سلسل کی اوڑھنی
لا دے وہی دو ابھی مجھے ململ کی اوڑھنی
کیا غضب ہے تیری چتون میں ہی آگ بھری
تو بھی کچھ قہر ہے اللہ ری سہاگ بھری

رباعی

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے
گھر میں میرے آگ لینے آتی کیوں ہے
آئی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے
بیفائدہ یاں تو آتی جاتی کیوں ہے

جھانکا تو نہ کر عبث فضیحت ہوگی
آ تو یہ سنے گی تو قیامت ہوگی
جا لیں یہ چھوڑ دے نہیں تو ناحق
ایک روز بڑی بھری فضیحت ہوگی

خط

خاں سموا لمکان سلمہ ربہٗ
آپ کو معلوم ہو بعد نیاز و سلام
فضل الٰہی سے یاں اور تو سب خیر ہے
کٹتی ہے اچھی طرح شکر ہے اسکا مدام
لیکن اجی کیا کہیں کہنے کے قابل نہیں
اب تو جدائی کے ہاتھ زیست ہوئی ہے حرام

دل میں تو ہوکے سے کچھ لگتے ہیں آٹھوں پہر
کوئی اسے کس طرح رکھے بھلا تھام تھام

روز جو وعدے کے ہیں گنتے ہی گنتے انہیں
انگلیوں کے پوروے سوجھ گئے ہیں تمام

پردہ دوری کہیں بیچ سے اٹھ جائے جلد
پردہ نشینوں کی ہے اب یہ دعا صبح و شام

کرتے ہیں ہمجولیاں باغ تماشے کی سیر
ان میں مجھے رہتی آپنی ہی دھوم دھام

اس میں جو روتے ہوئے دیکھ کسی نے لیا
تو یہ بہانا کہ ہے رات سے ہم کو زکام

بیتیں ہیں انشا کی اور اپنی کھینچی وہی
اس کے سوا ان دنوں کچھ نہیں ہنسی کو کام

مستزاد خماسی

میں پھاند کے کل رات جو دیوار نہ جاتی۔ کنڈی نہ ہلاتی۔ جا کر نہ جگاتی
نیند اس کو نہ آتی۔ جوبن کی وہ ماتی تیوری نہ ہلاتی
اور چٹکیوں میں سے تئیں صبح اڑاتی۔ ہاتھوں نہ نچاتی۔ گالی نہ سناتی
کھانے کو نہ کھاتی پھر تو نہ بلاتی سسرے سوہلی گاتی

(دیوان رنگین و انشا)

آشوب

یوسف علی خاں نام تھا علیگڈھ کے رہنے والے تھے چالیس سال پہلے نہایت زندہ دلی اور یار باشی سے گزران کرتے تھے۔ ریختی کا شوق تھا

رکھتے ہیں جو کہ چھیل چھبیلا ازار بند ۔ ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیلا ازار بند
قوس قزح بھی دیکھ لے دم بھر تو لوٹ جائے ۔ وہ لال لال نیفہ وہ پیلا ازار بند
لوٹے ہے روز صحبت دلدار کے مزے ۔ کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازار بند
کیا کیا مزے اڑائیں جو پڑ جائے اپنے ہاتھ ۔ وہ گورا گورا پیٹ وہ نیلا ازار بند
پیارے ہر ایک چیز سے زادہ پسند ہے ۔ بانکا چھبیلا اور رسیلا ازار بند
کس مردوے کے ہاتھ پڑا ہی یہ خواب میں ۔ کیوں ہو رہا ہے رات سے گیلا ازار بند

آشوب ان کو ڈر ہے کہیں ناقہ کھل نہ جائے
اس واسطے وہ ڈالے ہیں ڈھیلا ازار بند

نگوڑا نکھٹو ہے ہمسائی والا ۔ کرا یہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا
نہیں رکھتا پائی بھی اکدن بچاکر ۔ کر بھٹیارہ چٹو ہی ہمسائی والا
میں کیوں سامنے آؤں ایسے نٹو کے ۔ کوئی سالا سٹو ہے ہمسائی والا
نہیں تن پہ کپڑا بھی لیرے لگے ہیں ۔ بڑا ہی نکھٹو ہے ہمسائی والا

(تذکرہ خندہ گل صفحہ ۱۴ و ۱۵)

آشفتہ

عنبر شاہ خاں نام، رامپور وطن، عالم و فاضل شخص اور قائم چاندپوری کے شاگرد تھے، قدرت اللہ شوق سے فارسی میں تلمذ تھا۔ ۱۲۴۸ھ میں زندہ تھے مرادآباد میں انتقال کیا اور وہیں سید خاں کے گھیرے میں دفن ہوئے۔ ایک دیوان "تدقیق الخیال" اور ایک بیاض "ریاض عنبر" اردو میں اور ایک دیوان "تشریق الخیال" فارسی میں یادگار چھوڑ گئے۔ کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔

شرارت تھی بھری ہرجائی کی اک ایک بولی میں
ہوئی سوکن گرفتار آخر اپنی ناک چوٹی میں

کوئی نوچ ایسے مسٹنڈے سے اپنے جی کو الجھائے
میری انگیا گئی ہوتی ابھی تو جا کھسوٹی میں

"گلشن ہمیشہ بہار" "عنبر اشراق الخیال" سویدائے عنبر انشا میں اور جوہر عنبر ایزان الاوزان، نوادر المصادر رقعہ اعد فارسی میں اور مراۃ الاصطلاحات مصطلحات میں ریاض عنبر اور تدقیق الخیال فارسی اردو کے دو دواوین اور ایک بیاض ذکر شعرائے ہند و عجم، چھوڑی، فارسی میں عنبر تخلص کرتے تھے "کبھی کبھی صاحب قران کے رنگ میں ریختی بھی کہہ لیا کرتے تھے۔" خمخانہ میں انکی ریختی کا کوئی نمونہ نہیں ہے۔

(خمخانۂ جاوید جلد اول ص۳۶۔ تذکرۂ تذکرہ گل ص۱۴۱)

بیگم

عابد مرزا نام، ریختے میں بیغم، اور ریختی میں بیگم تخلص کرتے ہیں آپکے اجداد شیروان سے آئے تھے اور کتاب خوانی کرتے تھے۔ بیگم کے والد کا نام حسین مرزا تھا اور نواب فخر محل و نواب خاص محل محلات عالیات واجد علیشاہ کی سرکار میں کتاب خوانی پر مامور تھے بیگم ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے کلکتہ کے مٹیا برج میں واجد علیشاہ کے زیر سایہ پرورش پائی، بارہ تیرہ سال کی عمر سے ریختے کا شوق ہوا باپ سے چھپ چھپ کر شعر کہنے اور آغا حجو شرف کو دکھلانے لگے، ملک الدولہ کے پاس خانم جان کو ریختی پڑھتے سنا تو یہ شوق بھی چرایا، دیوان جان لیکر مطالعہ کیا اور ریختی بھی کہنی شروع کی، اور لگے مرزا علی بہادر گلشن الدولہ کو کلام دکھانے ۱۳۱۵ھ میں پٹنہ میں نواب لطف علیخاں کے بیٹے ابراہیم علیخاں نے ایک مشاعرہ کیا یہ بھی بلائے گئے تین دن رات مشاعرہ گرم رہا بیگم نے دو رباعیاں پڑھ کر مشاعرہ میں دھوم مچا دی۔

جاہل شاعر ہوئے پوربی کے سیٹ — اوروں کے کلام کو ٹکوڑے دیا میٹ
تھر سے ہی کہہ گئی تھی یہ مثل — رکھوا لیا جیٹ کے بھروسے پیٹ

دیگر

جو شاد تھا اُسکے دل کو ناشاد کیا — محفل کو مشاعرے کی برباد کیا
کہوا کے جو دوسرے سے لایا تھا غزل — آگے مجھ سے موئے نہ کیوں یاد کیا

دوسری رباعی سنکر حضرت شاد عظیم آبادی (خدا غریق رحمت کرے)

اور ان کے ساتھی بگڑ بیٹھے خوب خوب چوٹیں ہوئیں آخر میں مصالحت
بھی ہوگئی اور بیگم نے اپنی ریختی گوئی کی دھاک بٹھادی۔ کلکتہ اجاڑ کر
عظیم آباد گئے تھے وہاں سے بھوپال کا چکر کاٹ کر حیدرآباد دکن آئے
نواب محبوب یار جنگ بہادر مرحوم کے توسط سے دربار حضور نظام میں
باریاب ہوئے حضور نے ریختی سنی بہت پسند فرمایا دو ہزار کا بھاری
تلوان دو بیٹہ مرحمت فرمایا مگر حضرت فصیح الملک داغ نے بیگم کو بڑھنے
نہ دیا اور یہ بھی کچھ ایسے بگڑے کہ حیدرآباد کو چھوڑا نہیں اب تک موجود
ہیں، دبلے پتلے آدمی ہیں دو شادیاں کیں۔ ہز اکسی لنسی مہاراجہ
سر کشن پرشاد، نواب سر سالار جنگ بہادر وغیرہ خبر لیتے رہتے ہیں۔
بیگم کے مزاج میں اب تک ظرافت باقی ہے قوی بہت گھٹ گئے
ہیں، کان جواب دے رہے ہیں، آنکھیں بھی کچھ کچھ ساتھ چھوڑ رہی
ہیں۔ ہوش و حواس بھی ذرا کھوئے جاتے ہیں، مگر طبیعت ہے کہ برق
بنی ہوئی ہے۔ ہمیشہ شعر سنانے تیار ہر وقت غزل کہنے آمادہ، خاکسار
کے کرم فرما ہیں جب ملتے ہیں کچھ نہ کچھ سناتے ہیں اب اپنا کلام ترتیب
دے رہے ہیں خدا کرے کہ جلد مرتب ہو کر شائع ہو جائے، واقعہ یہ ہے کہ
آجکل یہی ایک ریختی گو رہ گئے ہیں اور وہ بھی چراغ سحری، غدر کی
پیدائش بھلا کب تک جیئیں گے، خدا انہیں دیوان شائع کرنے کی فرصت
دے۔

بیگم کے حیدرآباد آنے کے کچھ دنوں بعد مہاراجہ چندو لال بہادر کی

بارہ دری میں ایک عظیم الشان مشاعرہ ہوا جس میں صاحب عالم مرزا خورشید عالم بہادر بھی شریک تھے دلّی اور لکھنؤ کی زبان کی بحث ہوئی بیگم نے لکھنؤ کی طرفداری میں زمین و آسماں سر پر اٹھا لیا ایک طویل ریختی بھی لکھ دی یہ ریختی نہایت نفیس اور کارآمد ہے ملاحظہ ہو،

سناتے ہو مجھے باتیں ہزاروں
کہوں میں بھی جو کچھ اپنی زباں سے

تو اس دم کرکری ہو جائیگی بس
سہولی کے سامنے میرے بیاں سے

جسے کہتے ہیں اردو ہے وہ لشکر
سنی باتیں جو لشکر کی زباں سے

اسی کا نام اردو ہو گیا ہے۔
کوئی منکر نہیں میرے بیاں سے

ہوئی جب چھاؤنی دہلی میں اے بی!
وہاں لوگ آ گئے سارے جہاں سے

ہوا ہر قوم کے لوگوں کا مجمع
کوئی کابل کوئی مازندراں سے

عرب تھا کوئی اور کوئی عجم تھا
کوئی شیراز کوئی شیرواں سے

جو کیں آپس میں ان لوگوں نے باتیں
تو اردو کی زباں نکلی یہاں سے

زباں یا ستنجا بہوتا ہوا تھا
کہ گرما گرم آیا ہو دکاں سے

نمک مرچیں ملی ہیں لکھنؤ میں
کہ اب تک رال بہتی ہے زباں سے

وہ اردو تھی کہ ایک لکڑی کا چھیلا
نہ نکلے جس کے کانٹے باغباں سے

ترا دا لکھنؤ والوں نے اس کو
تمہیں کیوں فخر تم لائیں کہاں سے

مری جاں لکھنؤ والوں کے آگے
بہت مشکل ہے کچھ کہنا زباں سے

نہ کہتا اب کبھی میں اصل زباں جو اس
ذرا للو کو روکو اس بیاں سے

میں اپنے وقت کی زیب النسا ہوں
جواب اپنا کوئی لائے کہاں سے

یہ کہنا ہے بہت بے جا دوگانا !
کہ "اچھی ہو لیں ہی سارے جہاں سے"

نہیں کرتا زمانے کا ہے دستور
ثنا اپنی کوئی اپنی زباں سے

ہے فَضَّلْنَا[1] بڑی رولی میں آیا
ذرا پوچھو میاں! حافظ میاں سے

کیا خالق نے پیدا ایک پر ایک
سنا میں نے یہ آیتوں کی زباں سے

زباں کے خاوند کی ہے جورو عورت
اگر ہو لکھنؤ کے بوستاں سے

زباں کے ملک کا سکہ ہے عورت
انوکھا ہے چلن سارے جہاں سے

زباں کا فیصلہ ہے عورتوں پر
یہ باتیں مردوے لائیں کہاں سے

زباں دانی ہے حصہ بیگموں کا
لڑائے کیا زباں کوئی زباں سے

نگوڑی سوت جل ککڑی کے ہاتوں
بتنگ آئی بہت اب میں یہاں سے

یہ بیکاری بنی ہے سوت میری
نکلتی ہی نہیں میرے مکاں سے

وطن چھوڑا اسی شفقت کے چلتے
دکن میں آئی میں ہندوستاں سے

چھڑایا مجھ کو پیاروں سے اسی نے
چھپا کے منہ چلی آئی وہاں سے

موئی کو لاگ مجھ سے ہو گئی ہے
یہاں بھی آن لپٹی میری جاں سے

سند اس نے مجھے دی مفلسی کی
نتیجہ خوب نکلا امتحاں سے

غرض ہونا ہے جو ہو جائے مجھ پر
میں کچھ کہتی نہیں اپنی زباں سے

میری اب پرورش فرمائیں آصف
کنیزی میں ہوں میں دل و جاں سے

تو میری مفلسی اس طرح بھاگے
کہ جیسے تیر چھٹتا ہے کماں سے

---

[1] فضلنا بعضکم علیٰ بعض کی طرف اشارہ ہے۔ (تمکین)

جو مجھ کو عرض کرنا تھا کیا بس

دعا بیگم یہ ہے دل سے زباں سے

بجے چاروں طرف آصف کا ڈنکا

خراج اس کو ملے سارے جہاں سے

اس قصیدے نے دہلی اور لکھنؤ والوں میں ایک آگ لگا دی ایک کھلبلی مچ گئی حضور بندگان عالی نے ایک فرمان نافذ فرما کر رفع شر فرمایا۔ بیگم کی بزنجی جہاں صاحب سے کسی طرح کم نہیں بلکہ بعض دفعہ تو جان سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں۔

مرد سے تلوار کا کس بل نہیں دم خم نہیں ۔۔۔ بل ہے بیوی پہ تو ہو بندی کو اسکا غم نہیں

زال تو بے شک ہی تو بیٹا اگر رستم نہیں ۔۔۔ یار دو دو چور دوں کا اور کچھ بھی خم نہیں

پھر موئی عورتوں پر جو ہو تھوڑا ہی ظلم ۔۔۔ کونسلوں میں جب کہ بی خانم نہیں بیگم نہیں

ہاتھ میں جن کے قلم ہے بات میں جن کی اثر ۔۔۔ اس سے بھی وہ عورتیں بھی دو دن کم نہیں

بیویاں بہری لیکن ان کی مجلس کچھ نہ پوچھ ۔۔۔ چند تصویریں ہیں حیران اور کوئی ہمدم نہیں

جنگ سے بھی صلح بدتر نوج ہو لیا الٰہی ۔۔۔ کونسا دن ہے یہاں ہلچل نہیں ماتم نہیں

کبھو مر جائے جیسی جم آئیں تو قتل میں میری ۔۔۔ وقت کے اپنے تجھ اسکندر نہیں رستم نہیں

دل کسی کو کیوں دیا بی ہاتھ ملتی ہو تو اب ۔۔۔ چیز اپنی جب تک اپنے پاس ہے کچھ غم نہیں

تیری باتوں سے میرے دل میں ہزاروں گھاؤ ہیں ۔۔۔ اور پھر کچھ نہیں ٹانکے نہیں مرہم نہیں

سوت بازی مجھ سے لیجائے خدا کی شان ہے ۔۔۔ وہ ہی کچھ جیتی اگر میں بھی کچھ اس سے کم نہیں

---

(۱) مقدمہ ... [illegible]

یا رہیگی سوت گھر میں یا رہینگے آج ہم
اب تو دل میں ٹھان لی ہے وہ نہیں یا ہم نہیں
جانتے ہیں سب میں سلطنت کی ہو کنیز — کونسی محفل میں تیرا ذکر اے بیگم نہیں

جن کو معلوم ہے کرتب ہیں یہ جادو میرے — بنگلے ہمزاد وہی لوگ ہیں لاگو میرے
نقش اس ڈھب کا ہی لا دو مجھے بدھو میرے — اس کو زانو کو مسلتے رہیں زانو میرے
ساتھ سبزہ کے رہی اب تو ہوا لوٹا ترا — مجھ سے ہیں بن کے گرو آئیاں اُلّو میرے
مردوے ڈولی کے ساتھ آئے فقیروں کی طرح — یہ تو مجنوں سے سوا ہو گئے لاگو میرے
دیکھو اب بارہ اماموں کی قسم کھاتی ہوں — لونگی ہیکل نہ کبھی دو وہی جگنو میرے
لے گئی جب سے مری سونے کی جوشن کندن — اوہی کیا ننگے بُرے لگتے ہیں بازو میرے
میں تو مفلس ہوں انہیں سچ جھتی ہے کلونگی — یار ہیں یا کہیں چھوڑے ہوئے اُلّو میرے
ادھوری ہو گئی ہیں ہے اٹھاؤں کب تک — اے دوگانا یہ خصم ہیں کہ بلا کو میرے
چھاتیاں نور کے دو قمقمے بنجائیں ابھی — رکھ لو حرم میں دگانا جو یہ جگنو میرے
سوت تو جل گئی جل جل کے میں اب [illegible] ہوا — کیا تھا جو بھی سنینگے یہ دوہا جو میرے

جو خبر لیتے ہیں حال میں اس بیگم کی
یا الٰہی رہیں زندہ وہ کماؤ میرے

---

[۲] سونا میرا آباد بسا سوت کا گھر تھا — میں نے جو تمہیں دل دیا یہ اسکا ثمر تھا

---

[۱] بیگم۔ یہ غزل اس وقت کہی تھی جبکہ مٹیا برج کلکتہ میں تھے۔ دیکھو گلدستہ نتیجہ سخن سلسلہ ثانی گنج کلکتہ سنہ ۱۳۰۰ (تمکین)

[۲] مجلہ کلفنہ حیدرآباد دکن بابتہ ماہ اکتوبر ۱۹۲۹ سے منقول ہے (تمکین)

پہونچے نہ جہاں وہم وہاں تیرا گزر تھا — واری گئی تجھ پر تو ملک تھا کہ بشر تھا

قطرہ میں تھا انسان پڑا پیٹ میں جسدم — روتا ہوا جب گود میں آیا تو بشر تھا

صدقے گئی اللہ نے پروان چڑھایا — سچ پوچھو تو یہ میری دعاؤں کا اثر تھا

برسات میں سمدھن بڑی تکلیف اٹھالی — تم کیوں نہیں آئیں اجی نہالی میں گھر تھا

میں جاتی ہوں میکے نہ یہاں ہو نہ رہونگی — اب تک جو دیا ساتھ یہ میرا ہی جگر تھا

کرلی تھی ادھر کان ادھر دیکھ رہی تھی — اے چھوکری اس وقت تیرا دھیان کدھر تھا

جھک مار کے پھر کیوں مجھے تم بیاہ کے لائے — رہنا ہی تمہیں گھر میں نہ منظور اگر تھا

معراج کی شب سنتی ہوں احمد پہ خدا میں — تھا میم کا پردہ یہ ادھر تھے وہ ادھر تھا

ملنے کے لئے کل جو گھر آئیں جو بیگم
کچھ نفع تمہارا تھا نہ کچھ میرا ضرر تھا

کھٹکتا ہے جو کانٹا سوت کا مشکل سے نکلیگا — نہ میرے دل سے نکلیگا نہ اسکے دل سے نکلیگا

ذرا چولیں ان کا سوا نے لی دیا دیکھتی کیا ہو — لیا ہے پھنس بچے نے بڑی مشکل سے نکلیگا

پڑا رہتا ہے گھر میں ان چڑیوں کے ڈر رہتا ہے — کسی کا کام کیونکر اس کی گالی سے نکلیگا

نہ دوا لیگی اری تھوڑا سا پانی چھوکری جھٹ — سالا ہو گیا ہے شک کہ پہر سل سے نکلیگا

لکھا جو پڑھائی مجھ سے تم بھی کو آ تو جی! — سبق مشکل بہت ہے کیسی فاضل سے نکلیگا

بلاؤنگی اسے شربت کے بدلے زہر کا پیالہ — بڑی ہی سخت جان ہے سوت ہم مشکل سے نکلیگا

اٹھا پردہ تو لیلیٰ کی عصمت کا یقین آیا — پیا مجھ کو گماں تھا مردوا محمل سے نکلیگا

پڑھینگی ریختی بیگم تو اک تعریف کا نعرہ
کسی کے منہ سے نکلیگا کسی کے دل سے نکلیگا

آنکھ نرگس پہ جو ڈالی جائے گی
شاخ پھر کوئی نکالی جائے گی

جاں اگر ہے جانے والی جائے گی
بات تو ان کی نہ ٹالی جائے گی

آنکھ اس جوبن پہ ڈالی جائے گی
ایسی صورت دیکھی بھالی جائے گی

آہ میری یوں نہ خالی جائے گی
سوت سر مونڈی نکالی جائے گی

ہائے کیا انگیا ہی تنگ سی درست
یہ تو چپکے سے اڑا لی جائے گی

بھاگ جائے گی یہ جب ہوگی جواں
چھوکری مجھ سے نہ پالی جائے گی

تو زباں سے میں مگر چھو تو نہ ہونٹ
چھوٹ سب پانوں کی لالی جائے گی

ایک ذرا سے گھڑے پانی کے لئے
توبہ توبہ توڑ ڈالی جائے گی

آئے دن کا خرچ ہے سر پر میرے
عید آئے گی دوالی جائے گی

یاد فرمائیں گے بیگم کو حضور
ریختی میری نہ خالی جائے گی

محبت کیا ابھی بیتابی سے کیونکر قرار آیا
روانہ ہو گئی جب روح قالب سے تو یار آیا

نہ کوئی دوستدار آیا نہ کوئی جاں نثار آیا
اگر آیا بھی کوئی یار تو مطلب کا یار آیا

میری باندی نے باہر ہی سے باہر اس کو للکارا
نگوڑی سوت کے گھر سے جو کوئی چوبدار آیا

الٰہی خیر ان کی جان کی ہو اپنے صدقے سے
نہ وہ آئے نہ خط بھیجا نہ کوئی ان کا تار آیا

ابھی آیا ابھی اٹھ کر چلا آ کر دو گھڑی دم لے
کبھی بھولے سے آیا بھی تو گھوڑے پر سوار آیا

کہاں تھی رات کو چھند و بند اس گھر میں اس گھر (دگرہ)
تیرا عاشق تجھے دونوں جگہ جا کر پکار آیا

ابھی بیگم میری پاپوش جائے سوت کے گھر سے
سواری میرے دروازے پہ کیوں لے کر کہار آیا

پری

پری تخلص چھمن نام دہلی کے رہنے والے تھے۔ صاحب عالم مرزا رحیم الدین حیا سے تلمذ تھا۔ ریختی میں مشاق تھے۔ چالیس برس قبل ان کی شاعری کی دھوم تھی۔

دنیا مگر دوسے تیرا او پر فدا ہوئے — مجھ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوئے

اب تو مردوے ہیں دغا باز بے وفا — اگلے تماشبین خدا جانے کیا ہوئے

دن کو ہی آنا تھا تجھے ماہ صیام میں — در گور مردوے مرے روزے قضا ہوئے

(گلستان سخن صفحہ ۱۶۴ سخن شعرا صفحہ ۷۸)

تمکین

مولوی غلام مقبول خاں صدر امین ضلع بیر بھوم خلف مولوی غلام رسول خاں متخلص بہ تحسین صدر الصدور ڈھاکہ باشندہ ضلع میدنی پور سے تعلق اور مولف تذکرہ سخن شعرا کے دوستوں میں تھے۔ بیشتر ریختی کہتے تھے ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا۔

سخن شعرا میں چار شعر ریختہ کے ہیں مگر ذیل کا ریختی شعر خندۂ گل میں انہیں کے نام سے لکھا ہے۔

بوا کتنے مر جا بلی یہ مردوے ہیں — کوئی نوج یوں انکے نخرے اٹھائے

(سخن شعرا صفحہ ۹۰ خمخانۂ جاوید جلد دوم صفحہ ۱۳۸ تذکرہ خندۂ گل صفحہ ۱۲،۱۳)

ثریا

جمیعت علی نام، جھجر ضلع رہتک وطن تھا غدر سے پہلے حیات تھے خوش وضع سپاہی منش بزرگ تھے۔ جان صاحب کو سن کر ریختی کہنی شروع کی تھی خوب کہتے تھے۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرمہ کی کس کو دھن نہیں۔
اے بوا اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مجھ بختی کو جلاتی ہے سدا وہ جیسے
میری سوتن کے الٰہی یونہی آگے آئے

دن گذارا تھا جہاں شب کو بھی رہ جاتے ہیں
ہانپتے کانپتے کیوں رات کو بھاگے آئے

شام سے سو رہو منہ پھیر کے مردوں کی طرح
آئے تو گھر میں کوئی رات کے جاگے آئے

دل میں یہ سوچتیاں لاڈو تو نہ زنہار کہیں
کنواریاں خود تو بسانی نہیں گھر بار کہیں

اُن کو آنا ہی تو آجائیں وہ گھر ہے اُنکا
مجھ کو کیا کام ہی جائے میری بیزار کہیں

آج کل کنواریاں بیگم بڑی جیتیسی ہیں
منگنی ہوتی ہی کہیں تکتی ہیں اقرار کہیں

دن کو ہر کام میں کیوں اُنگھتی ہے پھر ماما
رات بھر جاگی نہیں ہے تو یہ مردار کہیں

ماما کا ہے کو ہے کٹنی ہے یہ اچھی خاصی
تجھ کو کروا ئیگی اک روز گرفتار کہیں

تیری جوتی سے ثریا جو وہ ہرجائی ہے
ڈھونڈھ لے تو بھی کوئی اور طرحدار کہیں

عمر بھر سسرال میں جلنا پڑا ناشاد کو
مارا ابھی کو مری موتا ہے اس داماد کو

سوتنیں جو مرا غم کرتی ہیں
میرے چونڈے پہ کرم کرتی ہیں

(خندۂ گل، صہ ۱۴۱، ۱۹۵۱ء)

جان صاحب

میر یار علی نام جان صاحب تخلص باپ کا نام میر امّن تھا فرخ آباد میں ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں لکھنؤ گئے، نواب عاشور علیخاں بہادر کو کلام دکھانے لگے آخر عمر میں رامپور چلے گئے اور تہتر سال کی عمر میں (سنہ ۱۲۹۶ھ میں) وہیں مدفون ہوئے۔ سنا ہے کہ ریختی بنا بنا کر پڑھتے تھے۔ ریختی کو مکمل کرنے اور اس میں ہر قسم کے مضامین پیدا کرنے کا فخر جان صاحب ہی کو حاصل ہے اگر انہیں ریختی کا "شاعرِ اعظم" کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ کلام اس قدر مقبول ہوا کہ جان صاحب کے حالات کہیں نہ ملینگے مگر کلام ہر جگہ مل جائیگا شاید ہی کوئی اردو داں ایسا ہو جس کے پاس دیوانِ جان نہ ہو میرے پاس چھ نسخے دیوانِ جان کے موجود ہیں جن میں سے دو تو نظامی پریس بدایوں کے چھپے ہوئے ہیں اور بقیہ لکھنؤ کانپور حیدر آباد وغیرہ کے۔ سرسری طور پر چند شعر انتخاب کر کے پیش کئے جاتے ہیں۔

گلستان سخن ص ۱۸۴، قطعہ منتخب ص ۳۶

انتخاب یادگار ص ۲۶۴، سخن شعراء ص ۹۹ تا ۱۰۱

خمخانۂ جاوید جلد دوم ص ۳۰۱، طبقات الشعراء ص ۳۴۲

قاموس المشاہیر جلد اول ص ۲۶۶

سر پھوڑ کر لہو کی بہاؤں گی ندیاں
ایسا نکھٹو پلّے سے میرے بندھا ہوا
وہ جانِ صاحب آئی ہے ریختی کی دھوم
بہتی کہوں چراغ بیٹے کی ہے جو بیچ میں
ہوئی تھی مجھ کو عید سمندر میں اس گھڑی
جو چاہیں اپنا زور یہ لاہوریں کریں
بستی خراب ہوتی ہے کوکا تو ڈھونڈ لا
پہلے تو ہی بھائی سے بہن تجھ کو ملا بہار
وہ دل درگور جنہاں نے سمجھی نہ نام الفت کا
خصم دو دو جوڑ لگا اسے ہوا جو بیٹا پایا ہے
لگا بیٹھا بریں جب سے یہ صورت زہر لگتی ہے
کٹا ہے صبح سے رو رو کے یہ دل فرقت میں
بدل کے آنکھ طوطے کی طرح ٹیں ٹیں لگا کرنے
اگر دوزخ نہ ہوتا قدر کرتا کون جنت کی
نہ مانو پھر کم بخت کے حق میں کانٹے بوتے ہو
بڑھائی کیوں زلیخا سو ہوئی رسوا نے یوسف کو
گلوار لی یہ مرتا ہے تف اسکی ریش پر
آتا خدا اسکے گھر میں جو ہوتا ہمارا دخل
ساتھ رہتا ہے سجا تم کے وہ سایہ کی طرح

گر بال بیکا ہو گا ابھی میرے لال کا
الٹا پڑا ہے جھگڑا اگلے روٹی دال کا
سنسار میں جیسے شہرہ ہو جانجیاں کا
محرم کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا
ٹھیرا جہاز جب کوئی ٹاپو نظر پڑا
کعبے میں اب تک ایک نہ ہندو نظر پڑا
سوسن کو طاق میں نہیں بازو نظر پڑا
دنیا میں اپنا کوئی نہ لاگو نظر پڑا
کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزار چاہت کا
بری جس سے کریگا سامنے ہو گا ذلت کا
کہیں بشاط کر بیٹھا مرا اب مصری کی نیت کا
اٹھی جب سے کے سنہ دیکھا عجب کمبخت راحت کا
اٹھ رہے دنیا سے جلدی تا ہم ایسے بیمروت کا
ہے اندیشہ سوص کی خست ہے ہو حاتم کی سخاوت کا
نہیں یہ وقت ہی ایسے گیا جنت صفا مروت کا
کیا خانہ خراب اس کو دکھایا کوچہ الفت کا
قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چرچا شراب کا
پانی کے بدلے پیتے ہیں بستا شراب کا
عشق ہوتا تو وہ خود دلی کے برابر چلتا

دیتا خدا کی ہے رزّاق ہے وہی میرا
خرچہ اس بندی کا کیا وہی ہے اسے چلیتا

پنجتن پاک کی ہے آس مجھے اے باجی
جنکے صدقے میں ہے سارا ہی ٹبر چلتا

جان صاحب جس سے کہاں جاتی ہے سب نیکی بدی
ریختی سچ مچ تری پانسا ہے یہ رمال کا

اجڑا ہوا آبادی کا جب گھر نظر آیا
رونے لگی ہیں دیکھ کے جی میرا بھر آیا

کل رات کو خفت جو اٹھائی تھی وہ کیا تھا
کچھ کھا کے دوا آج دکھانے اثر آیا

دل شیر ہوا میرا کہ بیکھے ہیں اب آپ ہی
ڈولی میں سنا میں نے جو رستم نگر آیا

پریوں کا طبق چھوڑ دو نگی لو لائی ہو جاؤ
کچھ کھوٹ ہے جو خواب میں دربار نظر آیا

پکا نہ تھا کچا تھا وہ جن اے پری خانم
کل سر پہ چڑھا آج نگوڑا اتر آیا

اے جان کبھی تھا وہ میرے حسن کا عالم
آنکھیں تو ہرن دیکھنے چیتا کر آیا

بخار سایہ کا ہے تم کو اے پری خانم
کبھی ہے آتا کبھی بیشتر نہیں آتا

ہمارے اس کی تو منہ دیکھے کی محبت ہے
مہینوں لے ہوا وہ بیخبر نہیں آتا

کمر کا ہووے جو مضبوط اور دکھائے مزا
مجھے تو اتنوں میں کوئی نظر نہیں آتا

گرگٹ کی طرح کالا کبھی لال ہو گیا
غصہ سے مردوے کا عجب حال ہو گیا

جو قدر دان اپنے تھے اے جان چل بسے
جب تو ہمارا اندنوں یہ حال ہو گیا

آرزو بندی کی خالق سے ہے ایک یہی سوت
کھالیے پھل تلوار کا اور پھول سونگھے ڈھال کا

کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت
سر پر جو کوئی چاہنے والا نہیں رہتا

اک پیٹ رہے ہمکو تو سو ڈھنگ سے ہو پیدا
مردوں میں تو کوئی بھی کسالا نہیں رہتا

اترا ہوا ہے چہرہ کل سے کمال تیرا
جی ہے نڈھال تیرا کیا ہے یہ حال تیرا

ق
گئی تھی دیکھنے باجی میں سورج کنڈ کا میلا
بھیڑ میں پستے پستے مردوں کا ہم جو اُریلا

لگے دیکھنے یہ دیکھ ایسے انگیا ہو گئی پرزے
مجھے کسبی سمجھ کر گھورتا تھا دیکھو میلے میں
یہ دل ہوس کے جیب بھی رہا نہیں جاتا
خدا دکھائے نہ بیڑی کی آنچ کا صدمہ
حسن جاتا رہا یہ چھاتیوں کا روپیا پڑا
کوڑہ ان چھاتیوں سے ٹپکے اُسے جو پہنے
اب بھلی مانسیں کیا ہنہیں جو یہ پہنائیں
چپکے رہنے میں تھا حرام وہ کام
جاتصاحب رہا وہ تنگ سدا
میں گری تو بھی گرا پاؤں نہ تیرا لوٹا
اے گل اندام یہ خوشبو جو چلی آتی ہے
کیا لوں آئینہ کا تا وال پریخانم سے
کہاں گئی لوٹ چرا کر تو یہاں تک مارا
کہوں باجی اماں سے تیر میرا ڈھونڈ دو
نہ کر رات کو کنگھی سر میں تو اپنے
دیا پھولوں کا گہنا سوت کو یہ خار ہے مجھکو
خدا نے پاپی کو قوم میں ان کے کیا پیدا
خوب بھر کا باندھا اس کو سوت نے
نوح کا طوفان ہر آنکھیں میری

میری پتھر کی چھاتی تھی ستم میں نے جو یہ جھیلا
جہیزوں باجی جی لڑکا میری گود میں جو کھیلا
گلا جو کرتی ہوں چاہت کا ہی مزا جاتا
یہ درد چلا یا ہے ہرگز سہا نہیں جاتا
صدقہ اس عقل کے جیسے یہ بنائی انگیا
میں تو کوسونگی میری جسنے چرائی انگیا
اپنے جوڑو کو موئے کتھڑے تھائی رنگیا
ایک دو بولوں سے حلال ہوا
جس کو حاصل کوئی کمال ہوا
تیرے دل کو تو کل آئی مہر ہو گیا ٹوٹا
شاید عطار کے کیوڑے کا قرابا ٹوٹا
چار پیسے کا مواشیشہ تھا ٹوٹا ٹوٹا
سر پہ باندی کے سیر پاؤں کا جوتا ٹوٹا
یہ تجھ سے نہ ہرگز دوا جان ہوگا
زنانی بہت دل پریشاں ہوگا
نہ کیوں دل پھول سا کملائے اب ہے نو بہار اپنا
پڑا ہر ایک سے رنبد نہ کیوں سمجھا جہاں اپنا
میں ہولی جب گرم ٹھنڈا ہو گیا
جس جگہ میں رو دی دریا ہو گیا

جہرن سی سرخ چاندنی خانم ہوئی سفید — کچھ سایہ ہو گیا اُسے چولہے میں جائے باغ

سنبل لُنا نچتم ہی چوٹی کا گوندھنا — چوٹی کی موڑتی ہے میری نوبہار زلف

لاکھوں ہی مردوئے تجھے دیتے ہیں نقد دل — اللہ ری کیا بڑا ہے تیرا اعتبار زلف

سنبل لُنا نہا کے نچوڑے جو تو نے بال — پانی کی بوندیں ہوتی ہیں اور برقرار زلف

مشکل نہیں ہے شام برن یہ زمین کچھ — جوڑی کی طرح باندھوں جو کر لاکھ بار زلف

گوٹے کناری سے نہ بنے ہے کرن سے شوق — کپڑا سفید بھاتا ہے اور سادہ پن سے شوق

جگنو نہ بازو بند علی بند سے نہ کام — زیور میں تجھ کو باجی ہے اک تن تن سے شوق

جو نہ ماں باپ کا اپنے ہو سمائی سچ ہے — اوہی کیا ہوئیگا جورو کا نگوڑا عاشق

مجنوں لیلیٰ پہ سوا شیریں پہ فرہاد ہوا — جان حنا ہوا کیا تجھ پہ انوکھا عاشق

حسن دریا ہے اسے پوا خضرو — دل کی کشتی کا ناخدا ہے عشق

بنو لذت اٹھاؤ گی آگے — اب تو نام خدا ہوا ہے عشق

لاکھ بھوتوں کا ایک بھوت ہے یہ — کچھ جن سے بھی بس سوا ہے عشق

یہ حسین ہے میں گا ایک مردوں کو خوب دیکھا — یوسف بنا رہے گا بی بی غلام کب تک

ڈولی کے پاس آ گئے لگا کہنے اک ہوا — احسان ہو چلو جو ہماری سکا تک

برسات کالی رو رو کے اس گھر میں آ بنے بوا — پانی تھا گھٹنے گھٹنے کہیں ران تک

شہر والوں کے آگے خاک ہے — باجی اماں کسی گنوار کا رنگ

چھپا جا کے لیگئی چینیا کلی میری — چھپتا نہیں ہے چور کا بھی نہنھا رنگ

کالا ہو یا کہ گورا پسند آئے دل کو جو — اس پر نثار کیجئے ستر ہزار رنگ

حزیں

تیس چالیس برس اُدھر ریختی کہا کرتے تھے، اور حالات نہ مل سکے۔

پہنا گلے میں تم نے جو پھولوں کا ہار ہے — سمدھن تمہارے حسن پہ کیا ہی بہار ہے
ہوتی ہے بڑی مکر کرو سیدھی طرح سے بات — گھوڑی پہ آج باد کے سمدھن سوار ہے
سمدھی بتاؤ تم کو یہ کیسی ہے بے کلی — آرام تم کو اور نہ اک دم قرار ہے
سوکھا ہی اس نے یار اُتارا رقیب کو — سمدھن ہماری خوب سلیقہ شعار ہے

سمدھن حزیں سے تم نہ لگاوٹ کرو ذرا
لائق تمہارے منہ کے کریہ اکہار ہے

(خندۂ گل ص ۱۹۹ و ۲۰۰)

خانم

عبداللہ خان نام تھا ریختے میں مختار اور ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے رام پور کے متوطن اور لوگوں کے شعر اپنے نام سے پڑھنے کے عادی تھے۔ ترتیب تذکرہ سخن الشعرا کے وقت زندہ تھے اور مولف کے ملاقاتی تھے۔ بیگم صاحب فرماتی ہیں کہ خانم بڑے تاریخ داں تھے اور تاریخ کا مطالعہ نہایت اچھا تھا۔ فقیر منش آدمی تھے جو کچھ ملتا راہ خدا میں دے ڈالتے تھے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے بچوں کو بہت روپیہ دیا کرتے تھے۔ افیون اور شراب کے عادی تھے اور اپنے تئیں غالب کا شاگرد بتاتے تھے۔

کیا بُرے ہیں یہ جلے دل کے جلانے والے — اور یہ آگ ہیں آگ آئے لگانے والے
ہاتھ باندھا کرو مہندی نہ لگاؤنگی کبھی — پاؤں پڑ پڑ کے یہ ہیں رنگ جمانے والے
جاؤ گے ٹُنڈیاں کسوا کے ذرا چھو دیکھو — لو بڑے آئے مجھے ہاتھ لگانے والے
سر سے اُٹھاؤنگی اس منہ سے زبردستی تم! — جوتیاں کھاتے ہیں ٹانگ کی اُٹھانے والے

کہنے سننے پہ کسی کے نہ تم آنا خانم
آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے

کہیں تم بیچ نہیں جھپ کے ان سے کہہ دینا — مری اچھی لوا یہ مرد و ڈاکے کہو گئے

(سخن شعرا صفحہ ۴۲۰ و ۱۲۱۔ مقدمہ دیوان جانصاحب صفحہ ۴۳ و ۴۴)

دوگانا

اسد اللہ نام علی جان عرف ابن منشی علی حیدر مرحوم ریختے میں سحر اور ریختی میں دوگانا تخلص کرتے تھے جیجڑہ ضلع ہگلی میں رہتے تھے آبائی وطن دہلی تھا۔ مگر یہ جیجڑہ میں پیدا ہوئے کلکتہ میں تعلیم پائی عبدالغفور نساخ سے تلمیذ تھا، صاحب دیوان تھے۔ ترتیب تذکرۂ سخن شعرا کے وقت زندہ تھے۔

رات کو ایک نگوڑے نے نٹ کھٹ نے — صحن میں پا کے بے حجاب مجھے
چھیاں لیں گلے سے لپٹا کر — پھر لیا زانوؤں میں داب مجھے
منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں — کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

سو بہانے تھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے — لاکھ صورت سے رچی بات بنائی ہوتی

(قطعۂ منتخب صـ۲۲۳ و ۱۰۳)
(سخن الشعراء ۱۴۵۹ صـ۴۶)

رحیم

ولی اور رحمٰن کے معاصر تھے۔ "خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم" میں انہیں ریختی کا موجد لکھا ہے۔

اری ناداں میں اپنے سجن کوں کیوں رُٹھایا ہے
رُٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے

بہت پچتائیگی میری نصیحت یاں کہتی ہوں
سکی کو رات سوہی ہے پیاری کو جو بھایا ہے

تیرے سوں ہوئیگا کچھ مہرباں او پیر ہوئیگا
روٹھائے کو منانا بن تجھے کیسے سلایا ہے

کیا کچھ پا سمجھ اچھوں سیانپ ہے سجن سوں مل
رحیم اپنا کرم کر لے سوئیں نے تجھ بتایا ہے

(طبقات الشعرائے ہند ص ۹۵)
(شعر الہند حصہ دوم ص ۸۳)

رنگین

"سعادت یار خاں نام رنگین تخلص تھا ان کے والد مرزا طہماسپ بیگ خاں توران سے آکر چند روز لاہور میں نواب حسن الملک میر منو خاں کی سرکار میں ملازم رہے اوس کے بعد دلّی میں نواب ضابطہ خاں اور نواب نجف خاں وغیرہ امرائے دربار کے ساتھ نوبت بہ نوبت آسودگی سے زندگی بسر کی"

"رنگین کی ولادت سرہند میں ہوئی مگر نشو و نما دلّی میں پائی۔ سپاہی کے بیٹے تھے شہسواری اور تیراندازی میں خوب کمال پیدا کیا۔ گھوڑوں کے پہچاننے اور ان کے معالجہ میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ شاہزادوں کی مصاحبت میں بسر ہوا کبھی کبھی تجارت کا شغل بھی کر لیتے تھے اسی تقریب میں لکھنؤ کئی بار آئے اور شاہزادہ سلیمان شکوہ کی سرکار میں عزت و احترام سے عرصہ تک رہے آخر عمر میں تجارت اور ملازمت سے سبکدوش ہو کر دلّی میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور وہیں ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء میں اسّی برس کی عمر پا کر وفات پائی"

(گل رعنا صفحہ ۲۶۴ و ۲۶۵)

رنگین اسم با مسمّٰی رنگین طبع اور عاشق مزاج واقع ہوئے تھے۔ اس لئے ریختی کی طرف توجہ کی چنانچہ اپنی ریختی کے دیوان کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

"بعد حمد رب العالمین اور نعت سید المرسلین بقا کیا شعرائے نکتہ چیں سعادت یار خاں رنگین عرض کرتا ہے کہ بیچ ایام جوانی کے یہ"

"نامہ سیاہ اکثر گاہ بیگاہ عرس شیطانی کہ عبارت جس سے تماش بینی
خانگیوں کی ہے کرتا تھا اور اس قوم میں ہر ایک فصیح کی تقریر پر
دھیان دھرتا تھا، ہر گاہ چند مدت جو اس وضع پر اوقات بسر ہوئی
تو اس عاصی کو ان کی اصطلاح اور محاوروں سے بہت خبر ہوئی،
پس واسطے خوشی انہیں اشخاص عام، بلکہ خاص کی بولیوں کو
ان کی زبان میں اس بے زبان ہیچمدان نے موزوں کر کے دیوان،
ترتیب دیا بقول شخصے کہ "گندہ بروزہ یا خشکہ خوردن ہر چہ گندہ،
مگر ایجاد بندہ"۔

(دیباچہ دیوان ریختی رنگین انشا، ص ۲)

اس میدان میں وہ وہ جوہر دکھائے کہ ایک خاص طرز کے موجد
کہلانے لگے چنانچہ تمام تذکرہ نویس متفق ہیں کہ ریختی ایجاد رنگین ہے۔
اور خود انہیں بھی یہی دعویٰ ہے، دراصل یہ صحیح نہیں ہے اس زمانہ
میں ریختی عام ہو چکی تھی نہ صرف رنگین ہی "گندہ بروزہ یا خشکہ" کی ایجاد
میں مصروف نہ تھے بلکہ اور لوگ بھی کام کر رہے تھے چنانچہ محمد صدیق
قیس، نواب امیر الدولہ بہادر لائق وغیرہ کی اسی عہد کی ریختیاں موجود
ہیں، ریختی کے دیوان کے علاوہ رنگین کی حسب ذیل تصنیفات موجود ہیں،
۱۔ دیوان ریختہ سنہ ۱۲۲۹ھ، ۲۔ دیوان بیختہ سنہ ۱۲۲۹ھ، ۳۔ دیوان
آمیختہ سنہ ۱۲۲۹ھ، ۴۔ دیوان انگیختہ سنہ ۱۲۲۹ھ، ۵۔ مجموعہ رنگین سنہ ۱۲۲۹ھ
۶۔ مجالس رنگین سنہ ۱۲۲۹ھ، ۷۔ امتحان رنگین سنہ ۱۲۲۶ھ، ۸۔ اخبار رنگین

۹۔ شش جہت رنگین (جس میں حسب ذیل چھ رسالے ہیں: ۱۔ ایجاد رنگین، ۲۔ عجائب و غرائب رنگین، ۳۔ داستان رنگین، ۴۔ چہار چمن رنگین، ۵۔ پنجۂ رنگین، ۶۔ گلدستۂ رنگین) ۱۲۴۹ھ/ ۱۲۴۹ھ، ۱۰۔ نظم رنگین ۱۲۴۹ھ/ ۱۲۴۹ھ، ۱۱۔ خمسۂ رنگین ۱۲۴۹ھ/ ۱۲۴۹ھ، ۱۲۔ جنگ نامۂ رنگین ۱۲۴۸ھ/ ۱۲۴۸ھ، ۱۳۔ حکایت رنگین ۱۲۴۸ھ/ ۱۲۴۸ھ، ۱۴۔ نصاب رنگین ۱۲۴۸ھ/ ۱۲۴۸ھ، ۱۵۔ حکایات رنگین ۱۲۴۸ھ/ ۱۲۴۸ھ، ۱۶۔ سبع سیارۂ رنگین (حسب ذیل سات کتابوں کا مجموعہ ۱۔ تصنیفۂ رنگین، ۲۔ گلدستۂ رنگین، ۳۔ سبحۂ رنگین، ۴۔ رنگین نامہ، ۵۔ ساقی نامہ، ۶۔ تجربۂ رنگین، ۷۔ کلام رنگین) ۱۲۴۹ھ/ ۱۲۴۹ھ، ۱۷۔ فرس نامۂ رنگین ۱۲۴۵ھ/ ۱۲۴۵ھ، ۱۸۔ مجموعہ رنگین کی چار تصنیفات کا (اس میں ۱۔ قوت الایمان، ۲۔ شیخ عبد القادر جیلانی کے قصیدہ کا منظوم ترجمہ، ۳۔ قصیدۂ بانت سعاد کا منظوم ترجمہ، ۴۔ سودا کا قصیدہ رنگین کی اصلاح اور ترمیم کے ساتھ) ۱۲۴۳ھ/ ۱۲۴۳ھ، ۱۹۔ انتخاب مثنویات رنگین (اس میں دس مثنویاں ہیں) اس طرح رنگین کے تصانیف کے (۳۴) جلدیں انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہیں۔

(فہرست ہندوستانی مخطوطات انڈیا آفس مرتبہ بلوم ہارٹ، دستور شعرا ص ۱۹۴ تا ۱۹۶، نغز منتخب ص ۳۴۳ و ۳۴۴، خمخانۂ جاوید جلد دوم ص ۵۱۹، طبقات شعرا ص ۳۳۲، گلشن بے خار ص ۸۸، گلستان سخن ص ۴۴۳ تا ۴۴۴، نغز عندلیب ص ۹۹ تا ۱۰۰، گل رعنا ص ۲۶۴ تا ۲۶۶، شعر الہند، قاموس المشاہیر ص ۲۶۶)

تو ہنسی ہے اور یہ کہتی ہے دہل جاتی ہوں میں
بھاڑ میں جا وے جیا ہر دم یہ دہلانا تیرا

خوب سا میں نے نکال اپنے لیا دل کا بخار
ہو گئی آج میری آنکھی صفا الٹ کر تیری

رشتۂ الفت کو توڑوں کس طرح
عشق سے اپنے میں منہ کو موڑوں کس طرح

لے میں کہتی ہوں کہ سر پیٹ کے جھونڈا کو کھسو
تو بچ تو بچ اپنا منہ تو شوق سے کر زاری کھینچ

لیپ کے مکراتی ہے مردار ہی شاباش رہی
تیرے منہ سے ابھی نکلی ہے نہیں ساری کھینچ

تھا مجھے کو کام آگے پھر اس کی یاد سے
جانے تھا کون اس دل نادان بیکس کا بھید

ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہے کہ تیس دن
بن بن کے بیٹھتی ہے بچاری ازار بند

کرتی جالی کی مجھے بھاتی ہے ململ پھلکی
کیوں ہے بہر واسطے باجی تیرے سلائی تو از

جی میں اپنے اسے ناداں سمجھتی ہوں میں
دل میں کچھ کہتی ہے اس عالم فانی کی ہوس

تیس دن میں کسی سے ملتی نہیں
ہوں ملاقات گاہ گاہ سے خوش

دل کی میں سادی تھی کمبخت کہ اس سے اتنا
نہ کیا میں نے تو مال و دل و ایمان کے لیے

سارے قصے جہان کے رہتی ہے چھوڑ
ہے مگر مجھ کو مہر و ماہ کا شوق

جب تلک ننھی تھی تب تک تو میں آ جاتا جا
ننھی منی سی بیٹھتی تھی یہ بیاری لا بیکل

خیر سے اتنی بڑی ہو کے اسے کیوں ہے لوں
اب بنا دو تیرے لائق مجھے بھاری آ ہیکل

یا رب شب جدائی تو ہرگز نہ ہو نصیب
بسیا کو یوں تجھے چاہے تو کو لہو تیل ڈال

کوئی ہیں کر خوب سی لال مرچیں
تیرے دونوں دیدوں میں بھر جائے آلوں

تیرے جی میں ہے آج گڑیاں نکالوں
سو تیرے گھر اپنے گر جائے آ توں

کہا تھا مجھے کل تجھے دو نگی چھٹی
کروں کیا جواب یوں مکر جاؤں

خدا جانے کہ ہاتھ پاؤں کس لڑکی کو کا
کہ اتنی جو تیرا پاس بیں ایسی جھکنا چوریاں میں

دوا کھائی نہیں ہے گرم دالی کی تو میر بتلا
ٹھنڈے سے کلیجہ کو کیا اس کے ہوا لو گو
میرے سغر کے نیس اُڑا او نہ کیڑے
رات کو لیتی ہو رسّی کا نام۔
یار دو آپ کو یا جیتو تجھے۔
تیرے صدقے گئی رنگین غزل اک اور کہو
ٹیس پیڑو میں اٹھی اوی میری جان گئی
جس طرح سے رنگین کو لا جا کے یہاں تک
ستیاناس ہوا سے جاہ تیرا
میری اور میری نزاخی کرے گی گڑ نکا بیاہ
ہنڈیاں ہیں تجھ جو تجھ سی کی بنوائی ہیں
اتنا بڑا ہے سر ایک آتوں کی ناک یہ
آتشا تیرا نہیں کوئی مشغل تو لائے دوا
ریختی کہتی اچھی رنگین کا یہ ایجاد ہے
نکلا عید کا چاند جو گھر سے لشکر والا نکلا آج
مجھ کو روتا دیکھ کر بولی دوا آزاری نگہ
جب دوگانا باغ میں چلتی ہے میری ناز سے
مردوں کو جو کہا میں نے کہ ستیاناس ہی

دوا کیوں پھوٹتی ہے یہ تری نکسیر آئے دن
کچھ ان دنوں رہتی ہے دلگیر میری چھو چھو
سناؤ نہ ابھی یہ بولی کہار وہ
تم کچھ انا جی بلی سی ہو
کھیلتے مجھ سے جو بچپن سی ہو
جگت استاد ہو تم نہیں تجھے پہچان گئی
مت ستا مجھ کو دوگانا تیرے قربان گئی
اس میں کیا مجھے کہانا یہ دم خوک ہے والی
اب تو کیا کیا مجھے دکھلاتی ہے
آج ساحق ہے میر گھر سے بہر جاتی ہے
کھا گئی لو وہ چیرا کر یہ فلالی ہانڈی
جتنی بڑی دوا میری انگلی کی پور کی
منہ سے نکلے ہے نئی ہے گرم سا کس واسطے
منہ چڑھا آتی ہے موا نشا جیا کس واسطے
کیوں پیچھو میں اپنی گیلی اور ڈالا نکلا آج
تیری صدقے ہو کے میں جاؤں جی بہار کر
سر کو کہتی ہو میں ہٹ جا بلند آواز سے
تو وہیں زہر کی پڑیا کو دوا بھانکتی

رباعی

بس سن چکی لو جی بس جی چپکے ہی رہو
اب کچھ نہ کہو جی بس جی چپکے ہی رہو
مجھ سے جیتے ہو تم مجھے ہے معلوم
بس چپکے رہو جی بس جی چپکے ہی رہو

رنگیں سے لیا تھا میں نے رو کر چھلا
دکھلاؤں گی کیا سنہ اسے کھو کر چھلا
پاؤں جو وہ چھلا تو دو ابھیک دوں
منت کا اٹھاتی ہوں دھو کر چھلا

قطعہ

رنگیں دیکھ تو عشق میں اپنے
تو نے مجھ کو کتنا پیسا
میں نے اب پہچانا تجھ کو
تو ہے ایک ارے چھتیسا

رات دن میں یہی کہتی ہوں کہ یاں
جس نے رنگیں کا کیا آنا بند
پانی پی پی کے یہ کوسوں گی اسے
ہووے یارب وہ زمیں کا پیوند

زبس ہے ریختی ایجاد رنگیں
اسی خاطر کہا کرتا تھا اکثر
سو انشا بھی اب کہنے لگا ہے
چہ خوش اس ریختی کے بھی ہوئے ہم

(دیوان رنگین و انشا)

رونق

سید محمد محسن نام، تکیہ ضلع رائے بریلی وطن، عبدالباری آسی الدنی سے تلمذ ہے زمانۂ حال کے ریختی گو شاعر ہیں۔

لو وہ آتی ہے لو اماں کی بھٹکالی ہوئی
ہائے دیّا کیا کروں میری تو رسوائی ہوئی

اسے لوا میں کیا کروں شادی رچن کیلئے
میری چوٹی سے جو وہ پھرتی ہے گدرائی ہوئی

اسے ذرا چلے تو بچھو کوئی دیکھے گا اگر
رکھی رہ جائیگی یہ تو دُرا ہی ہے جو رسوائی ہوئی

دولہا بھائی آرہے ہیں لکھنؤ سے شام کو
باجی آج آیا ہیں کچھ جھجکی سی شرمائی ہوئی

شیریں سے کہنے لگے فرہاد وہ بتا ایک دن
یہ تو بتلا دو کہ کیوں پھرتی ہو شرمائی ہوئی

(خندۂ گل ص ۴۴۴ و ص ۲۲۵)

رنجور عظیم آبادی

کسی عظیم آباد کے رنجور مرحوم کی ایک ریختی غزل نیرنگ خیال نومبر ۱۹۲۹ء میں طبع ہوئی ہے یہ کوئی اپ ٹو ڈیٹ ریختی گو ہوں گے۔ کلام اچھا ہے احوالات معلوم نہ ہو سکے۔

غرض سر سے لگانے سے نہ مطلب پان کھانے سے
ہوئی خاصی فرنگن انٹری تعلیم پانے سے

بوا! فرصت نہیں ہے مجھ کو جنگلی برج گانے سے
انہیں کے واسطے میں ہوں بنی سارنگی بجانے سے

بہن! بازار سے کیوں لائیں آٹا منگا لی ہو
تمہیں درکار جو ہو لو ہماری مودی خانے سے

زلیخا کی طرح کیوں مول لوں اک دردسر باجی
کوئی یوسف سہی پر باز آئی دل لگانے سے

عوض پاجامہ و شلوار کے میں کیوں نہ گون پہنوں
مجھے کیا نفع انگلش لیڈیوں کا منہ چڑانے سے

نہ بابا میں انہیں بیٹی دوں گی کچھ بھی ہو جائے
پناہ اللہ کی اقبال مرزا کے گھرانے سے

کہاں ممکن کہ بی لی کو وہ نظروں سے جدا رکھیں
وہ دیکھو آ رہی ہیں پیارے مرزا زچہ خانے سے

دیا جب پردہ دانستہ سوکن پیرا ماسی کو
تو اب کیا فائدہ ہے اصغری ٹسوے بہانے سے

بجا ہے تم نے اس قحبہ کو دیکھا بھی نہیں اب تک
ہٹو کیا فائدہ بیکار کی باتیں بنانے سے

کسی کی نوج آنکھ ہی سحر میں ہو پیدا ایسی
اُسے ہی کام روز و شب بس اک ٹسوے بہانے سے

میاں رنجور یوں سو بار آئیں اپنی مرضی سے
مگر ممکن نہیں آیا کہ وہ آئیں بلانے سے

(نیرنگ خیال لاہور نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۴۵)

راحت

کوئی دہلی کے باشندہ تھے ریختی خوب کہتے تھے حالات مل نہ سکے۔

جب سے وہ بانکا سجیلا دل کو ہے بھایا ہوا
انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا

✢

میں اپنی ایڑی چوٹی پہ صدقے کروں آ کے
یہ مردوا انگوڑا تو لٹھ ہے گنوار سا

✢

روٹھو گی تم تو وہ آجائیگا بیٹا پھر ابھی
تم جو چپکی ہو رہی ہو آ کے ہوا پھر گیا

✢

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو دوڑا یا نہ تھا
تو چلی انگیا میری دیکھو ہو کچھ بندر کی بات
جورو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتی خیال
کھڑی آ کر صاف کہہ دیتے ہو تم باہر کی بات
گونگی بہری کب تلک لوگو بنی بیٹھی رہوں
نند کی باتیں سنوں ہر روز کہیں دیور کی بات

✢

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں میں
مجھ کو تو بھی یہ بڈھا چونچلا بھاتا نہیں

✢

لحاظ آیا کسی کا نہ تجھ کو عصمت جان
غلام سے گئی بگڑی جہنم میں تو تیری

کھلا تو یوتا ہوئی پوری آرزو تیری
دوگانا چاند سا بیٹا جنی بہو تیری

(خمخانۂ جاوید جلد سوم ص ۳۱۳)

صاحبقران

امام علی نام، سید غلام حسین رضوی کے بیٹے، بلگرام کے متوطن تھے۔ جرأت اور انشا کے ہمعصر ریختی، ہزل، ظریفانہ، ہر رنگ میں کہتے تھے، صاحب دیوان تھے۔ آخر عمر میں لکھنؤ جاکر آصف الدولہ کے ملازم ہو گئے تھے۔

یہ اور چال سیکھی ہے کملو نے ان دنوں ۔۔۔ بازی جو دیکھی مات پیادہ بدل لیا

سنا کہ چکلے میں کہتی تھی ہر جوان سے پیر ۔۔۔ زمانہ جاتا رہا کیا جب تلک جمال رہا

دم سیدم لڑتی ہے کشتی مجھ سے جو خم ٹھونک کر ۔۔۔ ریجہ والا کیا کوئی تعلیم تجھ کو کر گیا

چھپکے جو کرتی تھی اس کو برملا کرنے لگی ۔۔۔ خوش ہوئی تھی تب اُن پاس سے شوہر گیا

آج صاحبقران کی آمد ہے ۔۔۔ چوکیوں پر بچھاؤ غالیچا

جوبن کو نورتن کے یارو شتاب لوٹو ۔۔۔ آئی ہے حج یہ کرکے دونا ثواب لوٹو

سنتے ہیں میکدے سے نورن چلی ہے حج کو ۔۔۔ اب تو سو چوہے کھا کے بلی چلی ہے حج کو

چتون غضب ہے ننھی کی ہے یہ شتاب آنکھ ۔۔۔ چھوٹی سی عمر میں اسکی بڑی ہے چھنال آنکھ

کملو مجلس سے کولی کھلتی ہے ۔۔۔ میری چھاتی پہ مونگ دلتی ہے

جو پوچھا کہ صاحبقران سے ہے واقف ۔۔۔ تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا

کانوں کی اپنے بالی او میری بھولی بھالی ۔۔۔ ہاتھوں سے کیوں چھپالی او میری بھولی بھالی

باریک سا دوپٹہ لازم ہے گرمیوں میں ۔۔۔ اوڑھا نہ کر نہالی او میری بھولی بھالی

جو دیکھتا ہے سر کو تھپڑ یہ مارتا ہے ۔۔۔ ہونٹوں کی تیری لالی او میری بھولی بھالی

رات کہتی تھی گنا بخشی سے ۔۔۔ دل ترا صاحبقران سے پھیرا

(قطعہ منتخب صفحہ ۹۴ سخن شعرا صفحہ ۲۷۲ طبقات الشعرا ہند صفحہ ۳۷۲ تذکرہ گلزار صفحہ ۲۹۵ تا ۳۰۱)

عاشق

میر یحییٰ نام، عاشق تخلص، مخاطب بہ نوازش علی خاں منصبدار متوطن برہان پور۔ ان کے اشعار میں بعض ریختی نما شعر موجود ہیں۔

میں کہا تیرے بدن پر کیا بھلی لگتی ہے راکھ
ہنس کہا جوگی پسر نے خاک لگتی ہے بھلی

تیل کھا کھا کہ ہو رہی کیسی
دیکھو تیلن کو کیا بلی ہیکی

خوش لگا لیٹنا سناران کا
جس کے سونے میں برہ بانی ہے

سلونے سجن تیرے کوچے منے
شب و روز عشاق کا شور ہے

دیکھ "دکھو کر" پٹھان کا لڑکا
صبر اور ہوش کھو کر آیا ہے

رزالا یار جب بولا میرا آنا روپیے پر ہے
تو ہم بولے کہ منہ دیکھو روپیے کے سوا آنے ہیں

(چمنستان شعرا قلمی، تذکرہ فتح علی گردیزی قلمی)
(رسالہ تجلی بابت اکتوبر ص ۲۸ و ص ۶۹)
(رسالہ معارف بابت فروری ۱۹۲۸ء ص ۱۲۴)

عنقا بیگم

محمد محسن خاں نام محسن اور عنقا بیگم تخلص خان پور ریاست بہاولپور پنجاب کے متوطن اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ اب ریٹائر ہو کر لکھنؤ سے وطن جا رہے ہیں۔ ریختی میں خاصی مہارت ہے ایک دیوان بھی طبع ہوا ہے جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے اپنے کلام کا موازنہ کیا ہے، لکھنؤ اور دہلی دونوں شہروں کے محاورات استعمال کرتے ہیں، فواحشات سے ایک حد تک اجتناب کرتے ہیں۔ جان صاحب کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں۔ مگر وہ بات کہاں ہے!

ہوتا بسم اللہ سے آغاز ہے دیوان کا
راز سربستہ ہے وہ باجی در قرآن کا

ابن مریم تھا تمنا خواں باعث قرآن کا
کیوں نہ ہو قرآن پہ قربان دل انسان کا

پہلے نفرت تھی لوا جھ اس سے الفت ہوگئی
ہوگیا یوسف بھی شیدا لی زلیخا جان کا

رہنمائے راہ حق گوئیاں فقط قرآن ہے
ہادی کامل ہے وہ اسلام کے ایمان کا

اسلئے عیسائی و موٹی ہیں شیدا محسن
ذکر ہے انجیل میں توریت میں قرآن کا

چشم یکتائی سے دیکھو تم اگر سمجھی ہے
خالق اکبر ہے مطلب رام اور بھگوان کا

سراپا عصمت ہیں اور حیا ہیں ہے شرم باجی شعار اپنا
وہ بلبلشوا نگاہی سخراہی بنائیں ہم نوج یار اپنا

ہے پائے بنارسی کا یہی وہ لٹکا پھرے گا بھڑوا وہ کھٹکا کھٹکا
نہیں نگوڑے کا کچھ بھی کھٹکا ہو کوئی دشمن ہزار اپنا

ملیگا پھر کب یہ دار گوئیاں وہ تیغ ابرو کی دھار گوئیاں
گرے نگوڑا سوار گوئیاں نہ چھوڑے داری شکار اپنا

بگاڑوں گی میں بھی حال گھر کا وہ ڈالیں مجھ پر وبال گھر کا
کھلائیں رنڈی کو مال گھر کا نکالیں مجھ پر غبار اپنا

ہے آنے ڈولی کہلا ہوا بی ''اماں'' ہم بارہ بہی کربلا بھی
نگوڑے لڑتے ہیں کیوں بوا جی حساب کر لیں کہار اپنا

بھر گیا طبلہ بجانے آج گوہر جان کا
کیسا تنگا ہے نگوڑا باپ چنا رجھان کا

خاک لگا پیٹ گا نگوڑا شیخ اپنی بزم میں
جانتا اس نے کبھی نہیں بھڑوا جوانی تان کا

جانتی ہیں یا نہ پھر دولہا ایسا بچکنے کی خاک
خاک نکلے حوصلہ پھر حسرت و ارمان کا

پاندان پھوٹے کی سر پیار نگی آج ہیں
سوت کا بھیجا ہوا کھایا جو بیڑا پان کا

کیوں نہ رنجیدہ ہو محسن دو مہینے سے بوا
خط نہیں لاہور سے آیا الٰہی جان کا

عجب بلا میں پھنسی ہوں گوئیاں میں اس نگوڑی سے دل لگا کر
یہ دونوں پھوٹیں جو آج سوئی ہوں میں پلک سے پلک لگا کر
کہاں ہیں ایام حیدری کے پڑی ہے گھر میں وہ شیخ جی کے
بلائیں گے ہم چراغ گھی کے ضرور مسجد میں آج جا کر

بلا کی شوخی زبان میں ہے ستم کا جادو بیان میں ہے
وہ سوہنی آن بان میں ہے کہ مار ڈالا لبھا لبھا کر

لگائے کیا کیا وزیر بیگم نگاہ خونی کے تیر بیگم
بنایا دل کو اسیر بیگم کمان ابرو چڑھا چڑھا کر

بگاڑتی کیوں ہے اپنا جوبن ہے چند روزہ ہوائے گلشن
نہ سرمہ مسی نہ پان ساقن ارے دوانی خدا خدا کر

نہ دل ہو کیوں کر کباب شب بھر شباب ہم کو عذاب شب بھر
پلاتی ہیں وہ شراب شب بھر سوئی چبھا لیں بلا بلا کر

بہار گلشن عیاں ہے اس میں ادائے بلبل نہاں ہے اس میں
وہ عشق بیگم زبان ہے اس میں کہ مار ڈالا لبھا لبھا کر

وہ الٹے الٹے سبق پڑھا کے کہ مار ڈالا جلا جلا کر
بگاڑا کس نے ان کو باجی سکھا سکھا کر سکھا سکھا کر

نوابی بیگم ہے لکھنؤ کی بڑی ہے دھوم اسکی گفتگو کی
ذرا جو آنکھ اس سے دو بدو کی تو اس نے مارا جلا جلا کر

سگھڑ سیانی تو ہو کے جانی خراب کرتی ہے زندگانی
جوانی ہوتی تو ہے دیوانی مگر نہ یوں شرم بھول کھا کر

کہاں سے لائیگا دم ہوا وہ بڑا ہی دمساز ہی ہوا وہ
سراپا سلفہ ہوا ہوا وہ چرس لگوڑی اڑا اڑا کر

ہے دل میں حسرت کمال گوہر ہوں عاشق خستہ حال گوہر
ہوئی ہوں غم سے نڈھال گوہر دکھا دو گوئیاں جمال گوہر
حسین کبھی ہیں جوان بھی ہیں حسیں پہ شاہی نشان بھی ہیں
ادائیں بانکی ہیں آن بھی ہیں وہ اری ان کو نہال گوہر
موئی نے پہلے کیا تھا ڈھیٹی جو چھوٹا ڈھیٹی تو نج سے لپٹی
کسی سے چپکی کسی سے چمٹی ہوا ہے نیلم کا حال گوہر

جائے گا شیخ نگوڑا ہوا سیدھا ہو کر — شوخیاں کرتا ہی مجھ سے بوا اکٹھا ہو کر
گری مغلانی کی بستی ہے جو کبری رسوا ہو کر — یاں نہ آتا نہیں دولہا میرا بوڑھا ہو کر
یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سجیلا ہو کر — پھولکی والی پہ تو امرتا ہے مرزا ہو کر
کیا کہوں کوکلا بیگم کی کہانی گوئیا — پڑ گئی زاغ کے بس میں موئی عنقا ہو کر

پڑی نگوڑی چمار کے بس کمہار کے بس کہار کے بس
بچائے واحد ہزار کے بس نگر تو ہر جا لی یار کے بس
اٹھی یہ حیا حیا کے دن ہیں بیگم مرتی سے کی ہوس ہیں بیگم
نہیں تو شان ان کے بس ہیں بیگم وہ ہیں نگوڑی حماری کے بس
ہوا تھا گوہر سے کچھ جھڑکا ہے خام پارہ بڑی لڑاکا
کوئی نہ بندہ ہوا خدا کا ہوا ایسی بے ترحم نار کے بس

ہوں نوج عیار یار ایسے نگوڑے بھک منگے شیخ جیسے
نہ نکلے ڈولی کے چار بیسے پڑی ظہور اکھار کے بس
نہ آئی چمپا کلی نہ مالا ہے کب سے چمپت نگوڑی خالہ
ہمارا زیور تھا ئی ڈالا ہو نوج کوئی سنار کے بس

لگی ہے تن کے چمن میں باجی یہ کس شمع رو کی پیاری آتش
وہ سلگی رہ رہ کے ہجر کی شب بجی ہیں ساری کی ساری آتش
وہ اٹھتا جوبن چڑھی جوانی ہوئی وہ مستانی اور دوانی
بلا کے جوشوں پہ ہے بیٹھائی غضب کی رکھتی ہے ناری آتش
چڑھی حرارت جو کھا کے انڈے بلا یا کسبی کو کر کے گنڈے
لگا کے تن بن ہوئے جو ٹھنڈے تو مرزا جی کی سدھار آتش

کریگا خاک سوا بے وفا وفا کا لحاظ
نہ بوڑھی اماں کی جسکو ہو التجا کا لحاظ
کوئی تو بات ہے دولہا بشیر کی باجی
جو کرتے رات کو دلہن سے ہیں بلا کا لحاظ
کریگا تھا کہ ہوا آنکھ اور ناک کی شرم
نہ جس کی آنکھ میں مطلق ہو آشنا کا لحاظ
نہ چھوڑ دامنِ شبیر خدا لو اعنقا
کریں گے آپ وہ مشکل کشا دعا کا لحاظ
زنڈی نگوڑی کی ہے فقط گھات کا لحاظ
دولن کا لحاظ ہے نہ انہیں رات کا لحاظ
اوئی باجی کوئی نوج کرے ایسے فعل کو
تعویذ گنڈے سحر کرامات کا لحاظ

پینے میں فصل گل کی رعایت بھی ہی ہوا ٹھنڈی ہوا کا موسم برسات کا لحاظ
مانا کہ پردہ والی سے کچھ بات ہی نہیں کیوں بات بات پر ہے مسمات کا لحاظ
افسوس تو یہی ہے کہ غصہ ہوا نہیں محسن نگوڑے مارے کی کچھ بات کا لحاظ

دولہا بھائی گر پڑیں ٹھوکر لگے یا چوٹ آئے
کیوں نہیں کہتی ہو دولہن تم پیں جلیں چراغ

دکھاؤں تن من گھڑی نہ ہوں لگھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہو
ہے چند روزہ یہ حسن و جوبن گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
فراز کا نشیب کا ہے ہوا یہ عالم فریب کا ہے
صدا ہے گھڑیال کی یہ ٹھن ٹھن گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے

بات تو شیریں کی رکھلی تھی ہزاروں میں ہوا گو بلا سے پھٹ گیا سر بھی سیا فرہاد کا
روٹی حمکن نہیں بھڑ دے ہی تو کیڑا کیسا چھوڑو دیگڑے کواری لڑکا کا جھگڑا کیسا
شوق ہی آئیں وہ جب چاہیں تکلف کیا ہے دولہا بھائی سے مجھے آ کے ہوا پردہ کیا ہے
ہولی بیخود شرابی یاد آیا اری لینا ہوا گوہر چلا دل
مجھے بوجھ بھڑوا مارتا ہے بڑا بیدرد سیر امرود ہے
دل اسکی تیغ ابرو پر فدا ہے وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے

(تذکرہ تبسم گل صـ ۸۵ تا صـ ۹۳ تذکرہ خندہ گل صـ ۲۷۹، ۳۱۳)

عشرت

کوئی گمنام ریختی گو تھے، مگر خوب کہتے تھے۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوا ان نوجوانوں میں
تیرے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے ٹیس رانوں میں
تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں چل ہٹ بھی
موئے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہے کانوں میں

حسیں بھی ہیں کڑے بھی ہیں مگر کچھ خوش ہوتی ہیں
یہاں تک عیب تھے عشرت یہ کابل کے پٹھانوں میں

(خندۂ گل ص ۳۳۲)

عصمت

امجد علیخاں نام حسین علیخاں لکھنوی شاگرد محمد علیخاں مسیحا کے فرزند ریختی عمدہ کہتے تھے، عصمت اور بیگم سے لکھنؤ میں مقابلے رہتے ہیں انکی صحبت میں ہدایت بھی رہا کرتے تھے۔

جو سنی ہیں دیکھ چکی منہ ہزار کے / بیٹھے گی کب بھروسے پہ وہ ایک یار کے
بی اِتم نے کیوں کنوار پنے میں چبائی پان / سولی سے دانت بن گئے دانے انار کے
نرگس کی چھوکری کا وہ دیدہ ہوائی ہے / کندن کو سارا دیدیا گہنا اتار کے

نتیجہ اسے بوا اچھا نہیں مردوں کی صحبت کا / کھلے گا تو مہینے بعد گل اس عیش و عشرت کا
نہ لیتی نام تک ہرگز نگھوڑوں کا کبھی ماما / مگر کچھ پاس ہے تجھ کو بڑے بوڑھوں کی عزت کا
نگوڑی شیخ نے پھر آج انبیاں لیکے کھائی ہے / میں ڈرتی ہوں بوا پھر سامنا ہوگا قیامت کا
تیری خاطر سے گھر سے دن ہار کے آتی ہوں ہر بار / کسی نے آج تک آنچل نہیں دیکھا ہے عصمت کا

(سخن شعرا صفحہ ۳۳۲)
(خندۂ گل صفحہ ۳۳۲، صفحہ ۳۳۳)

فنا

شیخ باقر نام، کالپی وطن، حافظ ضیغم، مولوی عبد الکریم خاں، مولوی محمد مظہر وصل وغیرہ کئی ایک اساتذہ سے مشورہ کرتے تھے ریختی کا بھی شوق تھا۔ ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت کلکتہ میں تجارت کرتے تھے۔ اور مؤلف تذکرہ سخن شعرا کے ملاقاتی تھے۔

بار گوہر سے لچکتی ہے کلائی بار بار   وہ در نایاب پہنے ہے جوشن آجکل

کل روپے سونا کو منگوا کر دئیے گنگیاں ہے   اشرفی خانم کہونگی جا کے کندن لا ہے

(سخن شعرا ص ۳۷۲)
(خندۂ گل ص ۳۴۳)

قیس

"محمد صدیق قیس ہمشیرزادۂ شیر محمد خاں ایمان تخلص، شعر نازک و
دلپسند بطرز خواجہ میر درد و میر تقی میر میگوید و مضامین دلچسپ
نو بطور رنگارنگ می آرد از نزد مہاراجہ[1] بہادر دو روپیہ یومیہ و از
نزد امیر کبیر[2] دو روپیہ یومیہ روزی می یابد نہایت مرد خلیق خوش فکر
دریں دلا بمذاق کم کسے میرسد .... صاحب دیوان
است کہ نام دیوان خود "بیشکار" داشتہ است"

(تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۵۴۴، ۵۵۴)

"......... آپ کا اصلی وطن حیدرآباد دکن ہے آپ کے
بزرگ اکثر سرکار عالی نظام میں وقائع نگاری اور اخبار گوئی کی
خدمت پر سرفراز تھے چنانچہ آپ کے نانا محمد عاقل نائک حیدریاں کے
افسر تھے اور آپ کے ماموں شیر محمد خاں ایمان اعظم الامرا
ارسطو جاہ بہادر کے مصاحب تھے اور شعراء میں استاد الشعراء
مشہور تھے آپ نے نشو و نما کے بعد سن شباب میں بقدر ضرورت
فارسی عربی پڑھ کے تحریر و تقریر کی استعداد حاصل کی اور
سوروثی وقائع نگاری و تاریخ دانی کا کمال پیدا کیا۔ شعر گوئی کا
شروع کیا، کلام کی اصلاح ماموئے بزرگ سے لیا کی ...."

---

[1] مہاراجہ چندو لعل بہادر پیشکار دکن، [2] شمس الامراء بہادر امیر کبیر۔ (تمکین)

"آپ نے ایک دیوان ریختی شاہ جہاں آباد کی بیگمات کی بول چال میں"
"لکھا ہے فقیر مولف کو آپ کا دیوان ملا تھا . . . . . . آخر ۱۲۲۳ھ میں"
"جاں بحق ہوئے"

(تذکرۂ شعرائے دکن جلد دوم صفحہ ۹۴۱، ۹۴۲)

قیس کے کلیات میں (۱۴۱) سطری مسطر کے (۴۴) صفحات ریختی کے بھی موجود ہیں جس کے آغاز پر لکھا ہے۔

"منتخب دیوان ریختی قیس محاورۂ بیگمات شوخ محل بادشاہی شاہجہاں آباد"

معلوم ہوتا ہے کہ قیس نے ریختی میں دیوان مکمل کر لیا تھا اور یہ کلام اس دیوان کا انتخاب ہے۔ قیس کی اکثر ریختیاں رنگین کی ریختیوں کے قافیہ اور ردیف میں ہیں۔ ایک دکھنی شاعر کا جسے کبھی دہلی کی صورت نہ دیکھی ہو اس بے تکلفی سے "بیگماتی اردو" کا استعمال کرنا نہ صرف حیرت انگیز بلکہ تعجب خیز بھی ہے۔ قیس نے دلی کے محاوروں کے ساتھ ساتھ دکن کے زنانی محاورے بھی استعمال کیے ہیں، اور اس لطف کے ساتھ کہ دکنیت کا شبہ تک نہیں ہوتا۔

انتخاب کلام قیس

تونے چڑیا وہ بنائی ہے کہ لیں لُل اٹھو
تیرے ہاتھوں کے ہیں قربان گئی مغلانی

اتنے کیوں مسّی لگائی اری نادان دوا
جھک گئے بوجھ سے موتی کے مرے کان دوا
ٹھیک ہیں سو بندھے تو اس کرتی کے لیکن اتنا
تنگ ہوتا ہے گلے میں سے گریبان دوا

چھپا ٹکا تھا جس کے گریباں کے اوپر
کرتی وہ میری کیا ہوئی بیتائی جھیلا

لاڈ بازار[1] کو جاتی ہے تو صدقے تیرے
بھول مت یاد سے لے آئیو میری ڈوری انا

بوا لا دے ایسا طرحدار جوتا
جھلا بور کا کوئی دھواں دھار جوتا

کاہیکو پہنوں گی باجی میں تمہاری انگیا
ایک سے ایک مری پاس ہے بہاری انگیا
جس کی چڑیا کا وہ عالم تھا کہ اب اڑ جائے
میں نے باجی سو جو کل شرط میں لی ری انگیا
ٹوکیاں ڈھیلی ہیں اور تنگ ہے بچھا دُوں ہیں دوا
اس طرح کوئی بھی سیتا ہے گنواری انگیا

کیا نیا لائی ہے منہیارن سماتی چوڑیاں
میں نے پہنونگی کبھی یہ آسمانی چوڑیاں
بھگ گئیں دو چوڑیاں تو بید کسی کی ٹھنی ہے کیا
پہن لے چل ہاتھ ڈھیلا چھو جاتی چوڑیاں

---

[1] حیدرآباد کے ایک بازار کا نام ہے۔ (تمکین)

قیس پر کرتے تھی فرمائش کہ لیو جوڑا اپنا / سبز سالو، ورنہ دھانی، آسمانی چوڑیاں
آگے پیچھے عاشق و معشوق کی گنوہیں لگا / دھار پہ چھلا دھار کے کل اس میں لگی آہی چوڑیاں

ایکے رکھی ہوں دوگانا وہ طرحدار اصیل / نوجواں تیلی سی گوری سی دلہی ہو دلدار اصیل
اُبٹنا مل کے نہا آتی ہے تو تجھ بن گھڑی / کتنی گندی ہے اری دور ہو مردار اصیل

بخشنے والا ہے صاحب میرا او بدلا / یہ تو کہتی نہیں میں نیک ہوں بدکار ہوں

میں کیا کرونگی لیکے تیری ہلکی اوڑھنی / لا دے دو اوڑھ مجھکو چھلا جھل کی اوڑھنی
چھپے کا اس پہ کام بنا کیا خوب واچھڑی / کوٹھے پہ جو لٹکتی تھی وہ کل کی اوڑھنی
شعلہ سا ایک آنکھ میں میرے چمک گیا۔ / سر پر مرے جو نکلے وہ جو کہیں ڈہلکی اوڑھنی

مجھ کو رخصت دے کہ اب میرے گھر سے / لے گئے نیں اصیل آئی ہے

کل پاؤں میرے دابنے جو آئی جمیلا / نیند آ گئی تلوؤں کو جو سہلائی چھیلا

بی چاندنی سحر کہہ دو ہو فرش کی تیاری / آئی ہے میرے گھر کو مہماں چھبیلی کوکا

ایسا نہ ہو محل میں کوئی دیکھ لے تجھے / یا ندی کنارے بیٹھ کے ڈھولا انڈا رہند

راحت افزا ہے یہ کہیو اجی گلشن بُو بُو ‏ ‏ ہاتھ دھونے کو مرے لائیو بے سن بُو بُو
تکیہ چاہوں چوں کا تو زانو کے تلے دھر دینا ‏ ‏ بیٹھے مسند پہ جب آکر مری سمدھن بُو بُو

قطعہ

دوگانا تو کیا ہے کسو کے بھی آ گئے ‏ ‏ اری قیس کا کر نہ مذکور باندی
قسم ہے علی جی کی کہتی ہوں تجھ سے ‏ ‏ کرونگی تیری ہڈیاں چور باندی

دیگر

ہاتھ سے تیرے اے دوگانا کہ میں جان سے ہاری ‏ ‏ ایک دن ایسا کرا ری زہر تو بھی کھلا مجھے
کاہے کو طعنے[1] جیتے تو دیتی ہے اٹھتے بیٹھتے ‏ ‏ جینے سے جی تنگ ہے آتی نہیں قضا مجھے

ٹکڑے ہوئی جاتی ہے زباں ہائے ری[2] طلب کے ‏ ‏ رانڈ کے میرے پان بھی منگوا لی جمیلا

نل[3] بھر گئے پیڑو میں ہے درد ہی بیٹھا ‏ ‏ مت چھیڑ میں ہوں جان سے بیزار دوگانا

تیری گود میں تو میں کھیلی ہوئی ہوں ‏ ‏ میری بات کا مت برا مان آپا!
اری قیس کیسی تو جاتی ہو گھر کو ‏ ‏ مرے ساتھ چل تو بھی مہمان آپا!
غرض دیکھ کر تو بھی خوش ہو گئی تھیں ‏ ‏ عجب طور کا ہے وہ انسان آپا!

---

[1] طعن و تشنیع [2] عادت [3] نلے، (تمکین)

رات مجھے جگا جگا تو نے کیا ہے رت جگا — اب بھی نہیں ہے جی بھرا سونے دو مت جگا مجھے

رات کوٹھے پہ تیری دیکھ لی چوری انّا — کالی اوپر تھی پڑی نیچے تھی گوری انّا!

لوگ سن لینگے ٹھہر جا کم بخت! — بولتی میری چارپائی ہے

بعض جگہ کھلی ہوئی باتیں بھی کہی ہیں جو بیہودگی کی حد تک پہنچ گئی ہیں نمونتاً بعض مصرعے نقل کئے جاتے ہیں۔

خالی جو اڑاتی ہے بلبل تو لڑاتی ہے سب
کل کا تو ہے دل باقی یہ سوسن تھالی ہے
بن گیا پھول سمٹ غنچۂ سوسن لوبو

دیوان قیس قلمی کتب خانۂ آصفیہ ۱۶۹ اور ۲۵۶ و داوین اردو
تاریخ گلزار آصفیہ ص ۵۴۴ ۔ تذکرۂ شعرائے دکن جلد دوم ص ۱۴۰، ۱۴۱
دکن میں اردو ص ۱۲۹ ۔
رسالہ نگار بابتہ ماہ اگست ۱۹۲۹ء ص ۶۵ تا ۷۱ ۔
رسالہ شاعر امروہہ بابتہ مارچ ۱۹۲۹ء ۔

قرم

ریختی گو شاعر تھے مگر حال معلوم نہ ہو سکا۔

کس نگوڑی کلموہی نے یہ دعا دی تھی آہ سے — شہر کی گلیوں میں قرم کا پتہ ملتا نہیں
کیا نحوست چھا گئی ہے اب زمانے پر موا — ڈھونڈتی پھرتی ہوں کوئی مردوا ملتا نہیں
بیٹھے گھر کے بہاؤ یا کہو مجھ کو برا — مجھ کو تو بیگم کوئی اب آشنا ملتا نہیں

ڈولی کے پیسے دینے پڑیں گے میاں ضرور — کیا گھورتے ہو تم مجھے آنکھیں نکال کے
مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں یوں موا — اوڑھا کرو ذرا تو دوپٹا سنبھال کے

مردود زمیں تو ہم نہیں ہنستی ہو جیسے — بیگم تمہیں بتاؤ کہ میں نہا کے کیا کروں
پیڑا رہے سیری جو مرے گھر آئے وہ — طوطے چشم میں مردوے بچنا کے کیا کروں

ذرا "نہا" اور "چشم" کے تلفظ پر غور کیجیے بالکل اسی طرح باندھا ہے جس طرح عورتیں بولتی ہیں۔

(تحفہ گل ص ۳۴۵ و ص ۳۴۶)

لائق

نواب بدر الدین خاں بہادر نام، امیر جنگ امیر الدولہ خطاب لائق تخلص، شہامت جنگ امیر الدولہ ابن محمد طاہر خاں شہامت جنگ (اول) کے بیٹے تھے۔ آپ کے والد نواب امیر الدولہ بہادر ارسطو جاہ کے زمانہ میں خانساماں اور خدمت جواہر خانہ سے سرفراز تھے آخر میں موسیٰ شاہ قادری کے مرید ہو کر تارکِ لباس اور فقیر ہو گئے۔

نواب بدر الدین خاں بہادر لائق اپنے والد کے بعد موروثی خدمت اور نواب سکندر جاہ بہادر کی مصاحبت سے سرفراز ہوئے کوکشاپلی، طاہر خاں پیٹھ وغیرہ جاگیریں پائیں، منصب پنجہزاری تین ہزار سوار، علم نقارہ، نوبت، پالکی جھالردار، سے سرفراز تھے آپ کی سلیقہ شعاری بھی مشہور ہے، شادیوں لنگر وغیرہ کے جلوس کی ترتیب وغیرہ میں آپ کو خاص ملکہ تھا۔ نہایت شریف المزاج نفیس الطبع خوش اختلاط، پر اخلاق، قدردانِ کمال تھے، نواب سکندر جاہ بہادر کے عہد میں سنہ ۱۸۰۳ء سے سنہ ۱۸۲۹ء تک زندہ تھے سنہ ولادت
۱۲۱۸ھ ۱۲۴۵ھ
ہی معلوم ہو سکا اور نہ سنہ وفات کا پتہ چلا۔

کتب خانہ آصفیہ میں آپ کے دو قلمی دواوین موجود ہیں جن میں سے ایک کے آخر میں ایک ریختی بھی لکھی ہوئی ہے۔ زبان صاف اور

شت ہے ۔

پاس میرے تو کسی ڈھب سے اسے لاری دوا
میں بلائیں تیری لیتی ہوں اری جاری دوا

ہائے ہائے کیا پیٹا سب مجھے کھایا تو نے
وہ نہ مانے تو مجھے چوری سے لے جاری دوا

وہ نہ آئے تو قسم دیجیو میرے سر کی
اس کو مجھ پاس کسی ڈھب سے بہلا لاری دوا

اس موئے مالی سیلے پر تو دو ہتڑ ماروں
یا کوئی اور ہو تدبیر تو بتلا ری دوا

سینے سے سینہ ملا اس کے تو بوسے لے لوں
پاؤں میں پاؤں ملا عیش کروں پیاری دوا

کیا کہا کس نے کہا تیرے سے لائق شب کو
مجھ کو تو ٹھو کی قسم کہدے نہ شرما ری دوا

(دیوان لائق موجودہ کتب خانۂ آصفیہ ص ۴۸۵، ۴۹۰)
(تاریخ گلزار آصفیہ ص ۱۹۵، ۱۹۶)
(دکن میں اردو ص ۱۳۶، ۱۳۷)

مجید

عبدالمجید نام تھا، ماڈرن تھیٹریکل کمپنی ناگپور کے چیف ایکٹر اور ریختی کے شاعر تھے۔

سوسن تجھے ملنے کو بھی لپکا ہی ملا شوخ
کیا تجھ کو بنائے گا نگوڑا وہ ہوا شوخ

آیا مری لونڈی کو بھی کرتا تھا اشارے
کل وہ انہیں باتوں کی لیے تو بیا شوخ

ان دونوں میں رہتی ہے ہمیشہ سے لڑائی
کچھ منچلی لوا شوخ ہیں کچھ چھوٹی کو ہوا شوخ

کیسے ملے بتاؤں جو چھچھوندروں کی ملاقات
دیتا نہیں سر آنکھ بھی تجھ کو تو ہوا شوخ

بل مارے نکالوں گی میں تنکے کی طرح سے
یا لوش سے ماروں گی جو بیٹھے وہ پڑا شوخ

ہر ایک سے یوں آنکھ لڑا بیٹھتی ہے نرگس
ہے ہے نہیں آئی ہو ذرا تجھ کو حیا شوخ

الطاف جو مجید آئے تو تو بات نہ کرنا
وہ ایک ہی چلتا ہوا لچا ہے بڑا شوخ

(خندۂ گل ص ۱۹۶)

مخلوق

مولوی عبدالباری آسی الدنی نے اپنے تذکرہ خندۂ گل میں "تذکرہ خوش معرکہ" پٹنہ لائبریری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میر احسان علی نام تھا۔ نواب تقی محمد خاں ترقی کے پاس قصہ گوئی پر ملازم تھے، میر خلیق کے چھوٹے بھائی اور میر انیس کے چچا تھے۔ آسی صاحب نے تذکرہ انیس مولفہ میر فدا علی خنجر سے ریختی کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

لائے دوا دیکھیو اب ہوگا نیا شر پیدا
لو زناخی نے کیا اور نیا گھر پیدا

مردوں کو ترس موئے نڈیوں پہ کیوں نہیں ہوتا
ہیں مر گئی کمبخت اثر کیوں نہیں ہوتا

(خندۂ گل ص ۳۴۵)

نکتہ چیں

کوئی نامہ نگار تھے، وہ بیچ گئے ظرافت کے ساتھ ریختی کا بھی شوق تھا۔

اشرفی سے تو یوں نکاح ہوا
پر بندھا مہر ایک پائی کا

خدا کی مہربانی قبر میری سہیلی ہے
گھٹا چھائی ہے رحمت کی لو اٹھو سہیلی ہے

پالی تھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی
مشہور یہ غلط ہے کہ قضا چلی گئی

(خندۂ گل ص ۳۴۳ تا ۳۴۴)

نازنیں

غلط فہمان ادا شناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ جوان خوش اسلوب "
"رستم زمان بزور، قوت سہراب طاقت کا لخ" (گلستان سخن صابر ص ۴۴۴)

دلّی کے رہنے والے تھے ذوق سے تلمذ تھا ۱۲۷۱ھ میں زندہ تھے بقول نساخ بجا انصاحب سے اچھی ریختی کہتے تھے۔ ذوق کی وفات پر ریختی میں قطعہ تاریخی کہا ہے،

نہیں نازنیں رنج کرتی کسی کا ۔۔۔ گیا جب سے یار اور حسرت سے کھوئی
بلا سے رکھوں شاد دل کو تو اپنے ۔۔۔ اگر میں نے کنبے کی عزت ڈبوئی
خصم جب سوا لونڈیوں کو رُولایا ۔۔۔ کہ اس پردے میں نام رکھے نہ کوئی
ولیکن مجھے کاملوں سے ہے الفت ۔۔۔ غم ذوق میں رات بھر میں نہ سوئی
لکھی اس کی تاریخ اور یہ ہوا غم ۔۔۔ میاں ذوق کو میں بوا آپ روئی

نازنیں اتنا بھی ہے جالی پینا ۔۔۔ یہ تمہارے آگیا کیا دھیان میں
روز ایک دھگڑے کی ہیں مہمانیاں ۔۔۔ روز رہتی ہو اسی سامان میں

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جواں تاکا ۔۔۔ بوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا
میں اپنے سر کو دھوتی ہوں بوا اور بیٹا شاہی ۔۔۔ موا بیٹھا ہی کیا خوش خوش کہ دن آیا اتفاقاً کا

کوئی بیٹھا ہو تجھے ہے کام اپنے کام سے   اے نگوڑے آدمی بس تو تو حیواں ہو گیا

سوتا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا   عورت! انہیں باتوں سے تیرا گھر نہیں ہوتا

میری نماز کھوئی اس مردوے نے آکر   اٹھی تھی اے دوا میں کمبخت ابھی نہا کر

اے زناخی مردوا ہے بدگماں   تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں

رات بھر سے وہی بات اور وہی چوما چاٹی   اے دوا ایسے بدبخت سے پڑا کام مجھے

فوّارہ کی طرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے   تم ایک بوند پانی پہ کتنا اچھل پڑے

دس گھر تو چھوٹ چکے ہیں کہاں تک خصم کروں   کسما بٹھائے دیکھئے اب آسماں مجھے

مجھے کہتے ہیں بیاہی تو نے ناکا چھوٹے دیور کو   نہیں ڈر نیکی میں بھی ہاں نہیں تاکا تو اپنا کا

اگر اے نازنیں تو دبلی پتلی کاسنی سی ہے   چھریرا سا بدن نام خدا تیرے دولہا کا

کیا جانے کیا کسبیوں میں شہد گھلا ہے   گھر والیوں سے تو نہ کوئی شوہر خوش ہوتا

پڑی نہ ہو کہیں اس بد نظر کی تجھ پہ نگاہ ——— ہوا مجھے تو تیرا دھیان بار بار آیا

یہ کل بگڑ گئی ہے رہتا نہیں حل پھر ——— بچپنائی میں تو آیا پہلا حل گرا کر

پیار کرنے کی عبث مجھ پہ ہی تہمت باجی ——— اس زمانے میں کسی کا بھی کوئی یار نہیں

تو ستندا ہے اور میں نازنیں کیونکر بنے صحبت ——— موئی اوجڑے نگوڑے پہ تکلے چلیں دو رہو یا سہو

دن چڑھے ہے پر ابھی دبوچے ہی پڑا رہتا ہے ——— مفت نظروں میں جیٹھانی کے کیا خوار مجھے

ہمسائی آئی تھی تیرے گھر میں بنی ٹھنی ——— انکو تو دیکھو رات اسی پر پھسل پڑے

ہو کر لہولہان تو کچھ ڈر گئی تھی پیر ——— جو زخم تھے ہوا وہی دل کی دوا ہوئے

(گلستان سخن صابر ص ۴۴۴ تا ۴۴۸)

(قطعہ منتخب ص ۶۴ و ۶۵)

(حدیث قدسی ص ۹۹)

(سخن شعرا ص ۴۹۰، ۴۹۱)

(طبقات الشعرا ص ۳۳۳)

مخمس بر غزل قدسی

لونڈی سو جان سے قربان گئی تجھ پہ نبی　　اچھی مجھ نہیں بجھا دیکو مری تشنہ لبی
تو ہے بندی کا وسیلہ دم حاجت طلبی　　مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

عورتیں جمع تھیں یک جا پہ سن اسمائے اتم　　وصف یوسف وہ لگیں کرنے زلیخا سے بہم
دیکھ تصویر تیری بولی یہ بی بی مریم　　من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

کہا یا آدم نے جو گیہوں ہوا اللہ خفا　　بخشوا لی تیرے صدقے گئی تو ہی تھا
دادی حوا نے بلائیں تیری لیکر یہ کہا　　نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

او چلا پھل دے کہ مرا باغ جہاں تیرے نام　　اور گل حسن سے شوہر کا معطر ہو مشام
پھولتی پھلتی ہمیشہ رہوں اے عرش مقام　　نخل بستان مدینہ ز تو سر سبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

بن گئی عورت نہ مجھے عقل ہے کچھ اور نہ شعور　　نہ میں ہوں رابعہ بصری نہیں بی بی نور
پر یہ سمجھتی ہوں کہ ہے عزت تیری رب کو منظور　　ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی

جو گوری کہ ہوئی راہ سے تیری برگشت　　خاک اڑاتی ہوئی حشر تلک دشت بدشت
واسطے تیرے میں واری ہیں جنت ہشت　　شب معراج عروج تو ز افلاک گذشت

بمقامیکہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

گوکہ ہم جنس کو اک نوع کی نسبت ہے بہم — پر میاں بیچ میں جو کہوں تو ہوں بات میں کم
تیرا کا مادہ سے بڑا رتبہ ہے اسے شاہِ امم — نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

درد عیسیٰ سے جو تھی نازنین کو بیتابی — سنہ پہ آنچل وہ دوپٹہ کا دھری روتی تھی
دیکھا اس دکھیا کا عالم تو اسے کچھ نہ بنی — بیدی اشک عیسیٰ و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

(حدیث قدسی ص ۹۹)
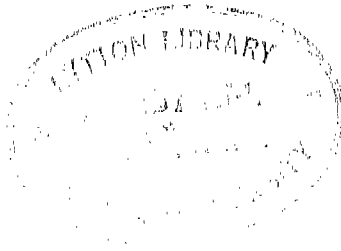
نازک

مؤلفِ تذکرہ خندۂ گُل کے ملاقاتی ہیں ریختی کا شوق ہے لکھنؤ میں مقیم ہیں نام ظاہر نہیں کرنے دیتے ۔

خدا بچائے بوا مردوؤں کے دیدوں سے
کہ تاک جھانک لگاتے ہیں تیرے ندیدے سے

کوسا بچی کو تو دیدے ہی نکلوا لونگی
سات لالوں میں یہی ایک ہا ہے بنّو

چار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اٹھائے کوئی
طاق بھر نے جو اکیلی چلی جائے کوئی
انگلیاں پھونک کے آنکھوں میں جگایا شب بھر
نوج نرگس کو بلا ساتھ سلائے کوئی

میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی اے بنّو
پھر بھی لاکھوں مجھے الزام دکھائی ہیں

بیٹوں والی پوتوں والی
ہاتھوں میں چھلے کانوں میں بالی
دانتوں پہ مسّی آنکھوں میں سرما
ماتھے پہ افشاں ہونٹوں پہ لالی
میں نے سب کو سمجھا ہے
سب ہیں میری دیکھی بھالی

(خندۂ گُل ص ۲۱۴)

نسبت

میر احمد علی نام لکھنؤ کے مشہور ریختی گو تھے جان صاحب کے معاصر اور مخلص تھے جان صاحب نے اپنے دیوان میں بعض جگہ نسبت کا ذکر بھی کیا ہے۔ صاحب دیوان تھے،

اے دوگانا وہ اگلی آنکھ نہیں / مجھ سے تیری یہ پھر گئی ہے آنکھ
بل ہر اک شخص سے جو کرتی ہے / کسی بانکے سے کیا لڑی ہے آنکھ

بیٹھے میں ہر کسی کے پاؤں کبھو دیتی ہو آ خانم! / بھلا ہی شوق اے بی بی! تمہیں جھگڑا چکانے کا

شمع جلواؤنگی میں چودات میں تیری لاڈی / جو بھلا چاہتی ہے کر میرا زیور پیدا

چھاتیاں کھولی جو در آتی چلی آتی ہو / اجی بہنوئی ہے بیٹھا نہیں شرماتی ہو!

کیلے تو دیکھ کر میرا جی کلبلا اٹھا / اے کاش کے نہ آتی میں اس آن باغ میں

(سخن شعرا، نساخ صفحہ ۵۱۸ ۔ تذکرۂ گل صفحہ ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۴)

ہاشمی

سید میراں نام، سید شاہ ہاشم کی پیروی یا مریدی کی وجہ ہاشمی تخلص کرنے لگے، بیجاپور وطن تھا، دیدۂ ظاہری بند تھے مگر لمحات عمر نہایت طویل ہوئی علی عادل شاہ کے درباری شاعر ہونے کا افتخار حاصل تھا۔ ۱۶۸۸ء میں یوسف زلیخا لکھی اور ۱۶۹۷ء میں انتقال کیا۔ مثنوی یوسف زلیخا کے علاوہ

۱۔ احسن القصص (ترجمۂ روضۃ الشہداء)۔

۲۔ غزل کا دیوان۔

۳۔ ریختی کا دیوان، (اس کا قلمی نسخہ پروفیسر آغا حیدر حسن دہلوی کے پاس موجود ہے)

۴۔ مرثیے (سنا جاتا ہے کہ ہاشمی نے بہت سے مرثیے کہے ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ اب تک دستیاب نہیں ہوئے۔)

(اردو شہ پارے جلد اول ص ۷۱، ۷۲)

"عربستان میں مرد عاشق زن ہے اکثر اشعار مرد کی زبان میں موزوں"
"کئے جاتے ہیں، ایران میں عاشق مرد مرد ہے، ہندوستان میں عورت"
"مرد کی عاشق ہے، چنانچہ ہندی اشعار یعنے کبت، دوہرہ و دیگر تصانیف"
"کے پڑھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے طرفہ یہ کہ قرآن مجید میں عورت"
"کی محبت مرد سے ذکر کی گئی ہے یعنے قصۂ یوسف زلیخا، چنانچہ ہاشم (ہاشمی)"
"بھی اسی طرح شعر کہا کرتا ہے۔ یعنے عورت کی طرف سے اظہار عشق"

"کرتا ہے ۔"

(طبقات الشعرا ہند)

اور حالات کے لئے دیکھو: ۱- چمنستان شعرا قلمی موجودہ کتب خانہ آصفیہ ۔

۲ ۔ رسالہ تجلی حیدرآباد دکن بابت اکتوبر ۱۹۲۷ء صـ ۶۰ ۔

۳ ۔ تذکرہ شعرا دکن جلد دوم صـ ۱۲۰۲

۴ ۔ گل رعنا ——— صـ ۲۷ ۔

۵ ۔ دکن میں اردو ——— صـ ۴۴ تا ۴۶ ۔

اردوئے قدیم ——— صـ ۷۹ تا ۸۱

انتخاب ریختی دیوان ہاشمی

"دوسرے بہت سے خیالوں کی طرح اب یہ خیال بھی غلط ہو گیا کہ ریختی"
"کی ابتدا انشاؔ ہی سے کی گئی ہاشمی کی ریختیاں اگرچہ اس نوع کی شاعری"
"کی ابتدائی کوششوں سے ہے لیکن اسقدر اعلیٰ درجہ کی ہیں کہ کوئی"
"اس کو پہلی کوشش نہیں سمجھ سکتا اس کے ذریعہ سے قدیم دکن کی عورتوں کی"
"زبان محفوظ کر لی گئی ہے آخری غزل شاید نسائی فطرت کی بہترین"
"ترجمان ہے"

(اردو شہ پارے جلد اول صفحہ ۲۵۹ و صفحہ ۲۶)

بہوت روز وں سوں جیتا ہیں ملے دہن کس کنارے ہیں
کہا کیا جیٹ لگا لے کی بوری ہے جیٹ تمہارے میں
چھنچل توں ہات پکڑی سو ہوسے ہے بخت تجھ غالب
عجب جھا کاٹ دستا ہے بہن جس کے ستارے میں
اُدھر سُن گول گنڈی میں گئی ہو یا دہیں پاتال
ہمیں تم مل کو بیٹھے تھے سکی جیدل دو لارے میں
او بارا گھر میں ہوتا گر پلنگ لیا لمبار لیا نا سو
انگن سے تب ملوں آکر تمہیں جب سو بارے میں
اسے دو دل دل بڑا کر توں یوا جڑیا چاندنی چندنا
کہ میں تحقیق آئی ہوں تجھے ملنے اندھارے میں

سنگی کرتی ہوں چھوٹی بہا پنا بستاں سنوار وں گی

اونے ہٹکئی تو میں یوں کہی ایتا تو نلج ملسوں میں

صباح ملکر سہیلیاں کن یو باتاں سب بچاروں گی

تٹناہوئے ہانکتا رہے پرا تا اوس تجھہ چیپ رہی ہوں

صباح کنٹھی کا سر سونڈ کر سیرا یو دند ساروں گی

او جڑ گئے کیا ظلم کرتا پڑوسی کوئی دیکھیں گے

منجے ٹک چھوڑ دے بارے جو پردا اجا اتاروں گی

نکل جا ہاشمی توں تو خدا ستار ہے میرا

اگرچہ کوئی دیکھیں تو میں سوگند کہا جیاروں گی

سجن آویں تو پردے کے نکل کر بہار بیٹھوں گی

بہانا کر کے موتیاں کا پروتی ہار بیٹھوں گی

او تو یاں آؤ کہیں گے تو کہوں گی کام کرتی ہوں

اٹھلتی اور ٹھلتی جب گھڑی دو چار بیٹھوں گی

نزیک ہیں ان کے جانے کو خوشی سوں شاد ہو لیں

ولے لوگاں میں دکھلانے کوں ہو بیزار بیٹھوں گی

پکڑ کر ہات پردے میں لیجا ویں گے تو میں کوں گی

گہونگھٹ میں مکھ چھپا کر کر بات میں ترکا مار بیٹھوں گی

بلایا جیو کالے جیو میں پڑوں گی پاؤں دلسوں میں

دلے ظاہر میں دکھلانے کوں ہو اغیار بیٹھوں گی
کروں گی ظاہرا چیپ ہیں غصہ ہور ماں ہٹ لیکن
سجن پر تے جیو اپنا یہ جیو میں وار بیٹھوں گی
سولا دیں گے تو نا سو سوا دُہو تگی دانتے یوں کہکر
جیو تو وں وا خوشی میری ہیں ہو ہوشیار بیٹھوں گی
سکنے کوں جیب کتی ہوں ہیں ولے ہیں دل میں گھٹ کی ہو
تزکیب ہو ہاشمی سوں ملکوا ٹوں پہار بیٹھوں گی

رضا گر مجھ کو دیتی ہو کروں گی گھر میں جا دارو
اگر مجھ ہو نگی فرصت صبح پھر آوں گی چھوڑ دو
اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل میں کیا کہیگا جی
مجھے بدنام کرتے ہو کہیں نین جاؤں گی چھوڑ دو

زنانی محاوروں کی کوئی فرہنگ تیار کی جائے تو ایک ضخیم کتاب ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی صرف بیگماتی مصطلحات کو بھی ترتیب دیدے تو ایک خاصا ذخیرہ ہوگا مگر سردست ہمیں اس سے سروکار نہیں۔ اس تذکرے میں بعض اشعار میں جو محاورے اور الفاظ خاص خاص آگئے ہیں ان کی ایک مختصر فرہنگ تیار کی جاتی ہے تاکہ نہ سمجھنے والے اس سے مدد لے سکیں

بعض اشعار میں بیٹھک، پریوں کا طبق کونڈا، وغیرہ اور بعض شیطانوں کے نام آگئے ہیں جن کی تفصیل دقت ضائع کن ہے اس لئے یہیں مختصر حال لکھ دیا جاتا ہے۔

بیٹھک دینا کہتے ہیں پریوں وغیرہ کی حاضرات کرنے کو عورتیں ہیز مانے ہوئے یا فرض کئے ہوئے دیو یا شیطان یا پری کی سواری فرض کرکے جمعرات کے دن ان میں سے کسی ایک کو اپنے سر پر بلالی ہیں جس عورت کے سر پر شیطان یا پری آئے اس کے سامنے سب عورتیں اپنی اپنی حاجتیں یا منتیں، مرادیں پیش کرتی ہیں۔ وہ عورت سر ہلا ہلا کر سائلہ کا جواب دیتی

اور سائلہ جواب سنکر نذر کا خرچ اٹھاتی اور مقدور موافق خدمت بجالاتی ہے
اس بیٹھک کے واسطے بڑے سامان کئے جاتے ہیں تکلف فرش بچھایا جاتا ہے
مکان خوشبو سے بسایا جاتا ہے۔ ڈومنیاں گاتی ہیں جس عورت کے
سر پر کوئی آتا ہے وہ نہایت بن سنور کر دلہن بنکر چوکی پہ بیٹھتی ہے اور
گانے کی آواز سے مست ہوکر بکنے جھکنے لگتی ہے اور سائلہ کے سوالات
کا من مانے جواب دیتی جاتی ہے۔

یہ رسم ہندوؤں سے بقدرے تصرف لی گئی ہے۔ نیچ ذات
ہندوؤں میں اب تک عام ہے گو بیٹھک اب متروک ہو گئی ہے
مگر غیر تعلیم یافتہ اور جاہل گھرانوں میں اب بھی ہوتی ہے۔ بدنصیبی سے
مجھے بھی دو ایک دفعہ اس تماشے کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔

مفروضہ اولیا یا شیاطین کے نام یہ ہیں۔
(۱) شیخ سدو، (۲) میاں زین خاں، (۳) میاں صدر جہاں،
(۴) پیر مٹھیلے، (۵) ننھے میاں، (۶) چھیل تن، (۷) میاں شاہ دریا،
(۸) شاہ سکندر۔

اور ساتوں پریاں یہ ہیں۔
(۱) لال پری، (۲) سبز پری، (۳) سیاہ پری، (۴) زرد پری،
(۵) دریا پری، (۶) آسمان پری، (۷) نوری پری،
جاہل عورتیں ان سب کو بہت مانتی ہیں میاں شاہ دریا وغیرہ
اور ساتوں پریوں کے متعلق یہ کہتی ہیں کہ یہ سب بھائی بہن ہیں اور

جنت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتون جنت کی خدمت کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ شاہ دریا اور شاہ سکندر کو نوری شہزادہ بھی کہتے ہیں۔
رنگین نے ایک طویل قصیدہ بھی کہا ہے۔ جس میں ان پریوں اور شیطانوں کے فضائل و مناقب اور عورتوں کے اعتقادات ان کے متعلق دل کھول کر بیان کئے ہیں۔

الف

آچھا ۔ بوڑھی ماما اصیل دائی وغیرہ قابلِ احترام بوڑھی۔
آتو ۔ آتو۔ استانی۔ معلمہ۔
آپا ۔ بڑی بہن۔
اندر والا ۔ دل۔ جی۔ من۔ جیوڑا۔
انگیا ۔ محرم۔ چولی۔ عورتوں کا سینہ بند۔
انّا ۔ دودھ پلانے والی۔
اوپر والا ۔ خدا۔ چاند۔
اصیل ۔ ماما۔ خادمہ۔ روٹی پکانے والی۔
اُبٹنا ۔ بیسن کی طرح کا چند ادویہ ملا ہوا آٹا جسے مل کر نہاتے ہیں۔
اتَرانا ۔ گھمنڈ کرنا غرور کرنا۔
اجی جی ۔ آپس میں خطاب کرتے وقت خوشامداً اور پیار سے کہتی ہیں۔
ازار بند ۔ ناڑا۔ کمر بند۔

ب

بُتُّو ۔ کلمۂ مخاطب بمعنی بی بی۔
بُولُو ۔ بوڑھی کنیز باپ کی خواص وغیرہ۔
بھاوجی ۔ بھاوج۔ بھائی کی بی بی۔

بےسن - چنے کا آٹا۔

بارہ بانی - خالص - کھرا - بے میل -

باجی - بڑی بہن یا کمسن ماں کو کہتی ہیں۔

بازوبند - ایک قسم کا زیور جو بازو پر باندھا جاتا ہے۔

بتیسی - بتیس مصالحے ڈالکر بنایا ہوا حلوا جو زچگی کے بعد کھاتی ہیں۔

بالیاں - کان کا زیور۔

بوا - کلمۂ مخاطب بمعنی بہن۔

بڑی روٹی - قرآن شریف۔

بچے نے پھیر لیا ہے - زچگی کے وقت بچہ ٹیڑھا ہو جائے اور نہ نکلے تو کہتے ہیں۔

باندی - چھوکری - کنیز۔

بجلی - کان کے ایک زیور کا نام ہے۔

باؤلی - بیوقوف - اول جلول - احمق - گاؤدی۔

پ

پلپلی ٹھیکری - اندام نہانی - ناف کے نیچے کا حصہ۔

پھولام - ایک قسم کا ریشمی کپڑا جس پر پھول ہوتے ہیں۔

پشت خار - کسی دھات یا ہاتھی دانت کا پنجہ ہوتا جس سے پیٹھ کھجاتے ہیں۔

پنڈریاں - تیس دواؤں کو کوٹ پیس کر لڈو بنا کر جاڑے میں استعمال کرتی ہیں۔

پینس - پالکی ایک قسم کی ڈولی۔

پچھاوے - انگیا یا محرم کی آستینوں کے پاس کا کپڑا۔

ت

تماش بین - عیاش رنڈی باز۔

تہاجو - وہ مرد جسنے تین شادیاں کی ہوں۔

تیور - نظر - آنکھ -

تیسوں کلام - قرآن شریف - تیسوں

ٹ

ٹسوے گہلانا یا ٹسوے بہانا۔ رونا۔ ڈھونگ کرنا۔

ٹوکیاں۔ کٹوریاں انگیا کا وہ حصہ جس میں چھاتیاں رہتی ہوں۔

ٹنڈیاں کسوانا۔ مشکیں کسوانا۔

ج

جوکھم۔ نقصان۔

جگنو۔ کرم شب تاب، ایک قسم کا زیور۔

جوشن۔ ایک قسم کا زیور۔ تعویذ۔

جھلاجھل۔ بھڑک دار، زرق برق۔

جھلا بور۔ بھڑک دار۔ زرق برق۔

جیٹھانی۔ جیٹھ کی بیوی خاوند کے بڑے بھائی کی بیوی۔

چ

چیلا۔ لکڑی کا شگفتہ یا ٹکڑا۔

چہتیسی۔ چھتیسا۔ چالاک۔ عیار۔ مکار۔

چولیس اکا سنا۔ زچگی کے وقت بچہ پھیر لے (اڑ جائے) تو دایہ تیل لگا کر پیٹ ملتی اور بچے کو خرج کی طرف رجوع کرتی ہے اسی کو چولیس اکا سنا کہتے ہیں۔

چوڑیاں ٹھنڈی ہونا۔ چوڑیاں توڑنا دکن میں چوڑیاں بڑھانا کہتے ہیں۔

چونڈے پہ کرم کرنا۔ احسان کرنا۔

چمپاکلی۔ گلے کا ایک زیور جس کے دانے گل چمپا کی کلی کے سے ہوتے ہیں۔

چھوچھو۔ دائی کھلائی۔

چڑیا۔ انگیا کا وہ سیون جس سے دو تو کٹوریاں ملی رہتی ہیں۔

چوں چوں کا تکیہ۔ وہ تکیہ جس کے دبنے سے چوں چوں کی آواز نکلے۔

چارپائی بولتی ہے۔ چارپائی آواز دیتی ہے۔

ح

حُوش - وحشی - جنگلی

خ

خصم - شوہر - خاوند -

خاتونِ قیامت - حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا -

د

دوگانا - عورتیں آپس میں یاد ام کھا کر یہ رشتہ جوڑتی ہیں -

دُوہاجُو - وہ مرد جس نے دو جوروئیں کیں ہوں -

دِدا - کھلائی -

دَیّا - دائی -

دیدے کا پانی مرنا - بے شرم بے حیا ہونا لحاظ نہ رکھنا -

دیور - شوہر کا بھائی (چھوٹا)

دھواں دھار - آفت - غضب - انتہائی شوخ -

ڈولی - پردہ دار زنانہ سواری جسے آدمی اُٹھاتے ہیں -

ڈُومنی - میراثن - پیشہ ور گانیوالی

ر

رَوِنّا - وہ ملازم جو محلات میں باہر کے کام کاج کے لئے نوکر ہو -

رَت جگا - خوشی میں رات بھر جاگنا شب بیداری -

رسّی - عورتیں رات کو سانپ کا نام لینا بد شگونی سمجھتی ہیں - اسی لئے ناسوں یا رسی کہتی ہیں -

رُومال ہونا - رومال ملنا جیسے دوشالا ہونا وغیرہ -

روٹی پہ بوٹی رکھ کے کھانا - خلوت صحیح کرنا -

رال بہنا - منہ میں پانی بھر آنا -

رہتی دنیا - تام قیام دنیا -

ز

زناخی ۔ قلعہ کی عورتیں جب دوسری عورتوں سے رشتہ جوڑتی ہیں تو مختلف نام رکھ لیتی ہیں جیسے دوگانا ۔ زناخی ۔ الاچی وغیرہ

س

سادہ کار ۔ سنار

ست نجا ۔ سات قسم کے ملے ہوئے اناج ۔

سوت ۔ سوکن ۔

سر ڈھنکنا ۔ ازالۂ بکارت ہونا ۔ کنوارپنا اتارنا ۔

سمدھن ۔ دولہا دولہن کی مائیں آپس میں ایک دوسری کو سمدھن کہتی ہیں ۔

ش

شاخ نکالنا ۔ جھگڑا ۔ حجت و تکرار پیدا کرنا ۔

ک

کپّی ۔ وہ برتن جس میں تیل رکھا جاتا ہے ۔

کوکا ۔ دودھ شریک بھائی یا بہن ۔

کھرنڈ ۔ زخم کا انگور ۔

کھونڈرا ۔ گھونسلہ ۔ آشیانہ ۔

کھٹائی میں ڈال رکھنا ۔ روک رکھنا پڑے رہنے دینا ۔

کسالا ۔ حالہ پیٹ سے رہنا یا ہونا ۔

کربلا ۔ وہ جگہ جہاں تعزیے ٹھنڈے کیے جاتے ہیں ۔

گ

گندہ پانی ۔ مادۂ تولید ۔ منی ۔

گھوڑے پر سوار آنا ۔ جلد آکر جلدی جانے کا اتفاق کرنا ۔

گوئیاں ۔ سہیلی ۔ دوست ۔ کلمۂ مخاطبت ۔

گنڈے ۔ پیسے ۔ ریزگاری ۔

ل

لیرے ۔ چیتھڑے ۔ چیندیاں ۔

للو ۔ زبان ۔

لاگو ۔ چاہنے والا ساتھ دینے والا ۔

لشکر والا ۔ خصم ۔ بادشاہ ۔

گُرم ۔ گھبرا گیا ۔

میبٹ ۔ وہ آٹا جو باورچی دم کے وقت دیگ کے منہ پر لگاتے ہیں ۔

میٹھا برس ۔ آٹھواں سال ۔

مسوسنا ۔ ضبط کرنا ۔ دابنا

مانؔ ۔ گھمنڈ ۔ غرور ۔ نخوت ۔

ن

ناک چوٹی بس گرفتار ہونا ۔ لے دے رہنا ۔ اپنی عزت بچا رہنا ۔ محو آرائش ہونا ۔

نوج ۔ کلمۂ دعا ۔ نعوذ کا بگڑا ہوا ہے یعنی خدانخواستہ دور پار ۔

نک سک سے درست ۔ بے عیب عمدہ ۔

نٹ کھٹ ۔ عیار مکار ۔ دغا باز ۔ شریر ۔

ہ

ہلبلی ۔ جلدی ۔

ہیکل ۔ ایک قسم کا زیور جو گلے میں پہنتے ہیں ۔

ہوائی دیدہ ۔ شوخ ۔ بے شرم ۔ بے مروت ۔

ہزاری روزہ ۔ ماہ رجب کی ستائیسویں تاریخ کا روزہ جس کا ثواب ہزار روزوں کے برابر خیال کیا جاتا ہے ۔

و

وقت پڑا ہے ۔ مصیبت آئی ہے ۔

محمد شفیع الدین کاتب (کوہیری)

تذکرۂ خندۂ گل

مولفۂ عبد الباری صاحب آسی الدنی۔ لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ معمولی ضخامت (۵۰۰) صفحات مطبوعہ نگار مشین پریس لکھنؤ اردو کے تقریباً کل ظریف شعراء کا کلام اور حالات بڑی کاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ تذکرہ کیا ہے زعفران زار ہے ہنستے ہنستے اور سوتے ہو جائیے۔
قیمت۔ للعہ کلدار

تذکرۂ تبسمِ گل

مولفۂ ڈاکٹر شیخ عظمت الٰہی صاحب سلونوی ایڈیٹر جریدۂ دنیا لکھنؤ مطبوعہ عظمت پریس لکھنؤ لکھائی چھپائی دیدہ زیب کاغذ عمدہ صفحات (۱۱۲) اس میں (۲۳) ظریف شعراء کے حالات زندگی کلام کے عمدہ نمونے دئے گئے ہیں نہایت ہی عمدہ اور اپنے رنگ کا پہلا تذکرہ ہے۔ پڑھتے اور ہنستے جائیے۔ قیمت۔ عہ کلدار۔
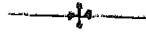
جان صاحب کے مختصر حالات اور ریختی کے نمونے آپ نے تذکرے میں
ملاحظہ فرما لیا ہوگا۔ جان صاحب کے کئی ایک دواوین کئی مطابع میں طبع ہو کر
ہیں بعض نسخے جو نہایت گندہ کاغذ پر غلط سلط طبع ہوئے ہیں بازار میں دستیاب
ہوتے ہیں مگر کوئی سنجیدہ اور عمدہ نسخہ آپ کو سوائے نظامی پریس بدایون
کے دیوان کے نہیں ملے گا۔

نہایت عمدہ کاغذ پر دو سو صفحے کا دیوان جس کے ادق الفاظ کی فہرست
(۲۶) صفحات پر ہے عمدہ کتابت و طباعت کا نمونہ ہے اور اس پر طرہ یہ کہ
ہندوستان کے مشہور ریختی نویس آغا سید حسن صاحب دہلوی۔ ایم۔
آر۔ اے۔ ایس۔ پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن نے ایک قابل قدر
طویل و بسیط مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں جان صاحب کی مکمل سوانح حیات
بھی ہے۔ جو (۸۴) صفحات پر حاوی ہے۔

قیمت مجلد عہ ۸ر کلدار

ملنے کا پتہ

مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

رنگین اور انشا دونوں کی ریختیاں آپ نے تذکرے میں دیکھی ہونگی، ان دونوں کی ریختیوں کے دیوان ایک جگہ نظامی پریس بدایوں نے شائع کئے ہیں کتابت و طباعت میں نظامی پریس مخصوص ہے کاغذ بھی ہمیشہ نہایت عمدہ ولایتی چکنا استعمال کیا جاتا ہے۔ شروع میں مصطلحات کی فرہنگ بھی ہے جو رنگین ہی کی بنائی ہوئی ہے اور انہیں کا رنگین دیباچہ بھی ہے۔

قیمت ۔ عہ کلدار

ملنے کا پتہ

مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن